گھر اور گھاٹا

عمیرہ احمد





ناولٹ

گھر اور گھاٹا

عمیرہ احمد

''پھر گھاٹا ہوا ہے ...... پورے پچاس روپے کا......!'' رضیہ نے اپنی کرخت آواز میں تقریباً چلاتے ہوئے کہا تھا۔ اماں بختے نے اپنی موٹے شیشے والی نظر کی عینک سے اپنی بہو کے دھندلاتے وجود کو بے حد بے بسی سے دیکھا اور بڑبڑائی۔

''گھاٹا...... ! گھاٹا کیسے ہوگیا......؟'' اس کے جملے نے جیسے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا، رضیہ بری طرح بپھری تھی۔

”یہ میں بتاؤں گی یا تو بتائے گی......؟“ اماں بختے اس کی بات پر غور کیے بغیر صحن کے وسط میں رضیہ کی سلائی مشین کے قریب بچھی چادر پر پڑے ان بسکٹ اور ٹافیوں کے ڈبوں کو دیکھ کر بڑبڑاتی رہی۔

”گھاٹا تو نہیں ہونا چاہیے...... یہ گھاٹا کیسے ہوجاتا ہے......؟“ رضیہ نے ڈبے سے سارے کرنسی نوٹ نکال کر انہیں ترتیب سے رکھتے ہوئے کچھ جھڑکنے والے انداز میں اماں سے کہا۔

”جیسے روز ہوتا ہے۔ ویسے ہی آج ہوا ہے...... ویسے ہی کل ہوگا...... تیرا گھاٹا کہیں ختم ہوتا ہے اماں......؟“ اماں بختے نے چونک کر اسے دیکھا۔

”میرا گھاٹا......؟“ وہ پھر بڑبڑائی۔ رضیہ اب ڈبے میں پڑے سکے گن رہی تھی اور سکوں کی تعداد نے جیسے اسے کچھ اور ناخوش کیا تھا۔

”سارا دن تو باتیں کرتی رہتی ہے اماں...... اگر منہ کو بند اور آنکھوں کو کھلا رکھے تو یہ گھاٹا بند ہوجائے گا۔“ رضیہ نے بلند آواز میں بڑی بدتمیزی کے ساتھ کہا اور کرنسی نوٹوں کو سلائی مشین کا اوپر والا حصہ اٹھا کر اس میں پھینک دیا سکوں کو اس نے ڈبے میں ہی رہنا دیا تھا۔ اماں نے اس بار کچھ نہیں کہا۔ رضیہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”سویرے سویرے کیا شور مچایا ہے...... کیا ہوگیا......؟“ عبدل تولیا گلے میں ڈالے مسواک چباتا ہوا اور چپل گھسیٹتا اندر کمرے سے نکل آیا تھا۔

”یہ تم اماں سے پوچھو...... کہ کیوں سویرے سویرے تماشا ہوتا ہے اس گھر میں...... آج پھر پچاس روپے کا گھاٹا ہوا ہے۔“ رضیہ نے اسی تند و تیز لہجے میں عبدل سے کہا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا اماں کہ تو کرتی کیا ہے...... لوگوں کو چیزیں دیتے ہوئے دھیان سے پیسے کیوں نہیں لیتی...... کوئی دو تین سو چیزوں کا کاروبار نہیں کررہی...... دس چیزیں بیچ رہی ہے تو...... اور تجھ سے ان دس کا حساب نہیں رکھا جاتا......؟“ عبدل منہ سے مسواک نکال کر ماں پر چڑھ دوڑا تھا۔ اماں بختے نے اپنی موٹے شیشوں کی عینک ٹھیک کی۔

”ٹھیک ہی کہتا ہے عبدل...... کوئی سودا سو چیزیں تھوڑی ہیں، دس چیزیں ہیں...... دس چیزوں میں تو گھاٹا نہیں ہونا چاہیے مجھے۔“ وہ ایک بار پھر پاؤں میں پہنی ہوئی چپل کو دیکھ کر بڑبڑائی تھی عبدل اور رضیہ دونوں میں سے کسی نے اس کی بڑبڑاہٹ پر دھیان نہیں دیا۔

”مجھے لگتا ہے یہ خود ہی کھاتی رہتی ہے ٹافیاں بسکٹ......“ رفیہ نے تند و تیز آواز میں الزام لگایا۔

”خود کہاں کھائے گی، چار دانت ہیں اماں کے......“ عبدل نے پتا نہیں کیا خیال آنے پر ماں کا دفاع کیا۔

”روٹی کھاسکتی ہے ان چار دانتوں کے ساتھ تو ٹافیاں اور بسکٹ بھی کھاسکتی ہے۔“ رضیہ نے ترکی بہ ترکی کہا، اماں بختے نے چارپائی پر اپنے برابر بیٹھے چار سالہ سونو کو دیکھا تھا...... شاید اور کوئی اتنے قریب نہیں آتا تھا اماں کے اس لیے وہ چپ چاپ چارپائی پر اماں کے برابر بیٹھا سنجیدگی سے اس سارے جھگڑے کو دیکھ رہا تھا...... وہ خاموش تماشائی تھا۔

”میں نے تجھے پہلے ہی کہا تھا...... یہ دکانداری اماں کے بس کی بات نہیں......“ عبدل نے اس بار اپنی بیوی کو جھڑکا تھا۔

”ارے، میں نے کب کہا ہے کہ منافع کما کرلائے...... گھر چلانے کی ذمے داری تھوڑی سونپ دی ہے اماں کو...... کوئی فائدہ نہ ہو...... پر نقصان بھی تو نہ ہو۔“ رضیہ نے اسی انداز میں کہا۔ عبدل نے اس کی بات نہیں سنی تھی۔

”روز بیس، پچیس، پچاس روپے ہاتھ سے جاتے ہیں...... اندر بیٹھی رہتی تو اتنے پیسے تو نہ لگتے اس پر......“ وہ اب بیوی سے جھگڑا کررہا تھا۔

”اندر بیٹھ کر کون سے تیر مار لیتے تھے تمہاری اماں نے...... سارا دن چارپائی پر پڑی رہتی تھی...... ہر آنے جانے والے کے ساتھ باتیں کرنے بیٹھ جاتی تھی...... یہ فرمائش ہوتی تھی کہ ٹی وی لگادو...... ایسے جیسے ٹی وی مفت میں چلتا ہے یہ کوئی تاج محل تو نہیں کہ جہاں مرضی

بیٹھتی ...... سلائی اسکول چلا رہی ہوں میں اس گھر اور تمہاری اولاد کے لیے...... کہاں بٹھاتی لڑکیوں کو...... اگر اماں کو اندر بٹھائے رکھتی تو...... اب کم از کم یہ گلی میں بیٹھی رہتی ہے تو گھر میں جگہ تو ہوتی ہے۔'' رضیہ نان اسٹاپ بول رہی تھی۔

''تو پھر بھگتو تم ہی...... میں تو اس روز کی بک بک اور جھک جھک سے تنگ آگیا ہوں...... مجھ سے روز روز پورا نہیں ہوتا یہ گھاٹا...!'' عبدل بولتا ہو صحن میں بنے غسل خانے میں چلا گیا۔

''آج خود آکر دیکھوں گی کہ کس طرح چیزیں بکتی ہے تو ...... دو دفعہ پیسے گن کر ڈبے میں ڈالا کر...... سارے عذاب میری جان کے لیے ہیں دو بیٹے اپنی بیویوں اور اولادوں کے ساتھ...... کویت میں عیش کر رہے ہیں مگر مجال ہے انہیں بھی ماں کا خیال آجائے...... یہ گھاٹا ہمارے لیے رکھا ہے۔'' رضیہ بولتی ہوئی اندر کمرے میں چلی گئی۔

ماں کے اندر جاتے ہی سونو پھرتی سے چارپائی سے اترا۔ ''اب دکان سجاؤں؟'' اس نے اماں بختے سے پوچھا۔ اماں بختے نے سر ہلا دیا۔ یہ روز کا معمول تھا رضیہ کی طرح بکتی جھکتی منظر سے غائب ہوتی اور سونو اپنا رول کرنے لگتا۔ خاموش تماشائی یک دم تماشے کا حصہ بن جاتا تھا۔

وہ اب صحن کے ایک کونے میں پڑی لکڑی کی بینچ نما میز اور اس میز کے اوپر پڑی بوری اٹھائے خوشی خوشی صحن کی دہلیز پار کر کے دروازے کے بائیں طرف نالی کے ساتھ میز رکھ رہا تھا۔ میز اپنی مخصوص جگہ پر رکھنے کے بعد اب دہلیز کے تھڑے کے ایک کونے میں اس تہ شدہ بوری کو رکھنے کے بعد اسی طرح بھاگتا اندر آیا۔ اماں بختے تک بمشکل ایک ہاتھ سے چارپائی کا سہارا لے کر دوسرا ہاتھ اپنے گھٹنے پر رکھ کر ہانپتی کانپتی کھڑی ہوئی تھی۔ سونو تب تک اندر آگیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اس نے اماں کا ہاتھ پکڑا اور اسے سہارا دیتے ہوئے دروازے کی طرف چل پڑا۔ اماں بختے اب بھی بڑبڑا رہی تھی۔

''پتا نہیں روز گھاٹا کیوں ہوتا ہے...... یہ زندگی میں ہر روز ہی کیوں گھاٹا پڑتا ہے...... کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ......'' وہ بڑبڑاتے ہوئے دہلیز کو پار کرنے سے پہلے سانس لینے کے لیے رکی تھی۔ کھانسی کا ایک دورہ اسے پڑا تھا...... چند منٹ وہ وہیں کھڑی جھکی کمر کے ساتھ کھانستی رہی...... اس نے اب دروازے کے ایک پٹ پر ہاتھ رکھ کے سہارا لیا ہوا تھا سونو کسی میکانیکی انداز میں اماں کے پاس کھڑا اس دورے کے خاتمے کا انتظار کر رہا تھا...... یہ روز کا معمول تھا۔ صحن میں اپنی چارپائی سے یہاں دروازے تک آتے آتے اماں یہیں کھڑے ہو کر کھانستی تھی۔

کھانسی حسب معمول ختم ہوگئی، سونو نے دوبارہ اماں کا ہاتھ پکڑا اماں نے دہلیز عبور کی اور سونو کی مدد سے وہ دہلیز کے سامنے بنے تھڑے پر بیٹھ گئی۔ سونو ایک بار پھر اندر چلا گیا تھا۔ اس نے کسی مشینی انداز میں اماں کی چارپائی پر پڑا بستر لپیٹا اور اندر برآمدے میں ایک کونے میں پڑے صندوق کے اوپر رکھ آیا پھر اس نے صحن میں آکر اماں کی چارپائی سیدھی کر کے دیوار کے ساتھ لگا دی اس کے بعد وہ باری باری رضیہ کی زمین پر بچھی دری پر پڑے بسکٹ اور ٹافیوں کے ڈبے اٹھا کر باہر اماں کی میز پر جا کر رکھنے لگا یہ اس کا سب سے پسندیدہ کام تھا...... دادی کی دکان سجانا۔

اماں بختے کا نام بختاور تھا...... ماں کچھ اور نام رکھنا چاہتی تھی لیکن باپ نے بختاور رکھا...... کیونکہ بختاور کی پیدائش پر اسے دو ماہ کی بے کاری کے بعد کام ملا تھا۔ بختاور کے بعد اس کے ماں باپ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی لیکن اس کے ماں باپ کے گھر میں کبھی فاقہ بھی نہیں ہوا۔ جب تک بختاور باپ کے گھر رہی...... باپ کو کبھی بے روزگاری کا سامنا نہیں کرنا پڑا...... بیس سال کی عمر میں محلے کے سب سے کماؤ لڑکے کے ساتھ اس کی شادی ہوگئی تھی۔ شریف درزی تھا اور قریبی بازار میں اس کی ایک چھوٹی لیکن اپنی دکان تھی۔ بختاور باپ کی طرح شوہر کے لیے بھی بختاور ثابت ہوئی تھی۔ اس سے شادی کے بعد شریف کا کام بڑھنے لگا تھا اور شریف جہاں بختاور پر فدا تھا وہیں وہ اس بات کا اعتراف بھی

برملا کرتا تھا۔ اوپر نیچے تین بیٹوں کی پیدائش نے جیسے بختاور کے واقعی بختاور ہونے پر مہر لگا دی تھی...... اور ایسے ماضی کے ساتھ اگر گھاٹے کا لفظ بختاور کو سمجھ نہیں آرہا تھا تو سمجھ میں آتا بھی کیوں...... وہ روز گھاٹا کھاتی تھی اور ہر روز گھاٹے کی وجہ ڈھونڈنے بیٹھتی تھی...... سارا دن وہ گلی میں بیٹھی بڑبڑاتی رہتی۔

"یہ گھاٹا کیوں ہوتا ہے......؟ یہ گھاٹا کب ہوتا ہے......؟ یہ گھاٹا کون دیتا ہے......؟ یہ گھاٹا کیوں نہیں رکتا......؟" اس کے سوال گلی سے گزرتے کسی شخص کے پیر نہیں روکتے تھے...... روکتے بھی کیسے اماں بختے کا گھاٹا ان کا گھاٹا تھوڑی تھا...... ان کا گھاٹا تو ان کے اپنے گھر تھا۔

●●●

"بسکٹ لے لوں اماں؟" سونو نے دادی کی دکان سیٹ کرنے کے بعد بڑے لاڈ سے اس کی گود میں سر رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ اجرت" وہ روز لیا کرتا تھا...... دادی کی دکان سجانے کا معاوضہ۔

"ٹھہر میں خود دیتی ہوں تجھے......!" اماں بختے نے کانپتے ہاتھ کے ساتھ بسکٹ کے ڈبے کو ٹٹولنا شروع کیا۔ "آج ساری چیزیں اپنے ہاتھ سے دوں گی میں تجھے...... تیری ماں ناراض ہوتی ہے پھر۔" سونو نے دادی کی بات پر بڑی فرمانبرداری سے سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے......!" اماں بختے نے ڈبے سے بسکٹ کا ایک پیکٹ نکال کر اسے دے دیا۔

"دیکھ پانی لا دے مجھے۔" اماں نے ساتھ ہی اسے کہا۔ سونو سر ہلاتا بسکٹ کا ریپر کھولتے ہوئے دہلیز سے اندر چلا گیا۔

گلی میں صبح صبح لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ مرد کام پر جا رہے تھے...... بچے اسکول کو...... اور عورتوں نے ہر روز کی طرح صبح صبح گلی کے دروازوں سے باہر جھانکنا شروع کر دیا تھا وہاں سے گزرتے لوگ نالی پر دس ڈبوں کے ساتھ اپنی دکان سجائے اماں بختے کے وجود کے عادی تھے۔ اس کے وجود سے زیادہ اس کی بڑبڑاہٹ کے...... وہ دہلیز پر بیٹھی سارا دن آتے جاتے لوگوں کو دیکھتے بڑبڑاتی رہتی تھی...... کئی لوگ اسے پاگل سمجھتے تھے...... اور کئی خبطی...... اس کے پاس سے گزرنے والوں کو بھی اس کی باتوں کی سمجھ نہیں آتی تھی...... سمجھ تب آتی اگر کوئی اس کے پاس رکتا۔ اس لوئر مڈل کلاس محلے کے لوگوں کے پاس اپنے لیے وقت نہیں تھا...... زندگی دو وقت کی روٹی کے لیے انہیں چکی کے دو پاٹوں میں پیس رہی تھی...... اس ستر سالہ بوڑھی عورت کے لیے کوئی وقت کیسے نکالتا لیکن پاس سے گزرنے والا ہر شناسا محلے دار اماں بختے کو سلام ضرور کر جاتا تھا۔ جواب چاہے ملتا نہ ملتا۔

اماں بختے کو اب اپنے پہلے گاہک کا انتظار تھا۔ اپنے سامنے سجے ڈبوں کو وہ بے مقصد ٹھیک کر رہی تھی۔ پھر اس نے اس ڈبے کو اٹھا کر گود میں رکھ لیا جس میں وہ پیسے ڈالتی تھی، ڈبے میں ہاتھ ڈال کر اس نے اندر موجود دس بارہ سکوں کو باہر نکال کر اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا۔ وہ شاید رضیہ نے اسے لیے رکھ چھوڑے تھے تاکہ وہ [illegible] دے سکے۔ جھکتے ہوئے ان سکوں کو ہتھیلی پر پھیلائے دیکھتے ہوئے وہ بڑبڑانے لگی تھی۔

"گھاٹے کی سمجھ نہیں آتی...... گھاٹا کب ہونا شروع ہوتا ہے...... یہ بھی پتا نہیں چلتا......" وہ اب ان سکوں سے پوچھ رہی تھی۔

"پہلی بار گھاٹا کب ہوتا ہے انسان کو......؟ جب وہ خود پیدا ہوتا ہے......؟ یا جب وہ اولاد پیدا کرتا ہے......؟"

●●●

"کتنا خوب صورت ہے میرا بیٹا۔" شریف اپنی پہلی اولاد کو گود میں لیے کہہ رہا تھا۔

"خوب صورت...... پورے خاندان میں کسی کا ایسا گورا رنگ نہیں ہے شریف......" تکیے سے ٹیک لگائے بختاور نے مدھم لیکن فخریہ انداز میں کہا۔

"خاندان کیا...... پورے محلے میں کوئی میرے بیٹے جیسا خوب صورت نہیں ہے......" شریف اپنی اولاد کو دیکھ کر جذباتی ہو رہا تھا۔

"دے دے اس کو مجھے شریف...... تو نظر لگائے گا میرے بیٹے کو......" بختاور نے اس کی گود سے اپنے بیٹے کو اٹھا لیا۔

"میرے بیٹے پاگل...... بھلا ماں باپ کی نظر تھوڑی لگتی ہے اولاد کو......" شریف نے ہنس کر کہا۔

"کیا پتا......؟" بختاور اب اپنی آنکھ سے انگلی کے ساتھ کاجل لگا کر بیٹے کے ماتھے پر نظر کا ٹیکا لگا رہی تھی۔

"جو آتا ہے اس کی نظر ہی نہیں ہٹتی میرے بیٹے سے۔ میرا تو دل گھبرانے لگا ہے۔" بختاور نے اپنے بیٹے کو گود میں لیتے ہوئے اپنے دوپٹے سے اس کا چہرہ ڈھانپ دیا۔

"مجھ سے میری ہی اولاد کو چھپا رہی ہے......" شریف نے برا مانا۔

"پھر تو اس طرح میرے بیٹے کو مت دیکھ جس طرح تو دیکھ رہا ہے۔" بختاور نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔ شریف بے اختیار ہنسا۔

"اچھا تو آنکھیں بند کر۔" وہ حیران ہوئی شریف نے ایک دم بات بدل دی تھی۔

"کیوں......؟"

"بس تو آنکھیں بند کر......" شریف نے اصرار کیا۔

"اب یہ اٹکھیلیاں مت کر شریف......" وہ مسکرائی۔

"ارے، کچھ دینا ہے میں نے تجھے......!" شریف سنجیدہ ہوا۔

"کیا......؟ مذاق کر رہا ہے۔" وہ ہنسی۔

"مذاق کیوں کروں گا...... تو آنکھیں بند کر......"

بختاور...... متامل ہوئی۔

"شریف......" شریف نے اس کی بات کاٹی۔

"بس آنکھیں بند کر اور ہاتھ آگے کر......" بختاور نے ہچکچاتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کر کے ایک ہاتھ اس کے آگے کھول دیا۔

●●●

"اماں ایک بسکٹ کا پیکٹ دے دے۔" اماں نے بری طرح ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ ہتھیلی پر سکے ڈبے میں جا گرے تھے۔ اس کا پہلا گاہک آن پہنچا تھا۔ تیس، پینتیس سالہ وہ آدمی اپنے دو سالہ بچے کو گود میں اٹھائے اس کا منہ چومتے ہوئے اماں سے کہہ رہا تھا۔ اماں نے بے حد حیرانی سے اس آدمی کا منہ دیکھا...... یوں جیسے اسے سمجھ نہ آرہی ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

"سونا کیوں شروع کر دیا اماں صبح صبح ہی...... ارے گلی میں سونا ہے تو پھر گھر سے ہی دیر سے آیا کر...... بسکٹ کا پیکٹ دے دے ایک......" اس آدمی نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے ایک پانچ روپے کا نوٹ نکالا۔

"نہ مجھے گھاٹا نہیں چاہیے۔" اماں بختے اس کا چہرہ دیکھ کر بڑبڑائی، آدمی نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"کیسا گھاٹا......؟ پانچ روپے کا پیکٹ ہے...... پانچ روپے تو دے رہا ہوں......"

"اس میں گھاٹا نہیں ہے......؟" اماں نے پانچ کے نوٹ کو دیکھ کر کہا۔

"پوری قیمت ہے اماں...... گھاٹا کہاں ہے...... اب پانچ کا پیکٹ چھ میں دے گی۔" اس آدمی نے کچھ تیز آواز میں کہا۔ اماں جیسے ہوش میں آگئی تھی۔ اس نے آدمی کے ہاتھ سے نوٹ پکڑ کر ڈبے میں ڈالتے ہوئے بسم اللہ پڑھی۔ یہ اس کی پہلی کمائی تھی بسکٹ کے ڈبے سے ایک پیکٹ نکال کر اس نے آدمی کی طرف بڑھایا، آدمی کے ہاتھ بڑھانے سے پہلے ہی گود میں اٹھائے اس بچے نے پیکٹ جھپٹ لیا۔ آدمی جیسے بچے کی اس حرکت پر باغ باغ ہو گیا تھا۔ بے اختیار بچے کے گال چومتے ہوئے اس نے اماں سے کہا۔

"دیکھا اماں کیسا تیز ہو گیا ہے میرا بیٹا......" اماں نے کچھ نہیں کہا۔ بچہ بسکٹ کا پیکٹ کھولتے ہوئے اب باپ سے باتیں کرنے لگا تھا اور باپ بھی اس کو اٹھائے اس کی باتوں کا جواب دیتے ہوئے چلا گیا۔

اماں اسے جاتا دیکھتی رہی سونو دونوں ہاتھوں میں پانی کا گلاس پکڑے بڑی احتیاط سے باہر آیا۔

"اماں پانی......!" اس نے آتے ہوئے اعلان کیا۔

''اتنی دیر لگا دی پانی لاتے لاتے۔ میری تو پیاس بھی مرگئی......'' اماں نے اس کے ہاتھ سے پانی کا گلاس پکڑنے سے پہلے اپنی عینک سنبھالی۔ سونو نے ایک نظر اماں کے سامان پر ڈالی، اماں اب پانی پی رہی تھی دو گھونٹ کے بعد اس نے گلاس رکھ دیا اور دوپٹے کے پلو سے اپنے گیلے ہونٹ پونچھے۔

''اماں یہ والی ببل لے لوں......؟'' سونو تب تک ایک چیونگم پسند کر چکا تھا۔

''میں خود دیتی ہوں تجھے۔'' اماں نے چیونگم کے ڈبے کو اپنے قریب کرتے ہوئے ٹٹول کر اس میں سے ایک چیونگم نکال کر سونو کی طرف بڑھائی، سونو نے بے حد خوش ہو کر وہ چیونگم پکڑلی۔ سیدھا کھڑا ہو کر اس نے ایک سیکنڈ بھی نہیں لگایا تھا چیونگم کا ریپر اتار کر ریپر کو نالی اور چیونگم کو اپنے منہ میں ڈالنے میں۔

''سونو...... سونو......!'' اندر سے رضیہ نے اسے پکارا تھا۔

''یہ لے...... یہ گلاس بھی لے جا......'' اماں بختے نے اسے جاتے ہوئے ٹوکا۔ سونو نے بڑی فرماں برداری سے گلاس اٹھایا۔ اندر موجود پانی خود چڑھایا اور پھر اندر چلا گیا۔

صحن میں آتی رضیہ نے گلاس اس کے ہاتھ میں دیکھتے ہی اسے ڈانٹا...... ''بس صبح صبح ہی نوکر بن گیا تو......!''

''اماں کو پیاس لگ رہی تھی۔'' سونو نے بتایا

''اور تو ماشکی ہے......؟'' رضیہ نے اسے جھڑکا۔

''چل گلاس رکھ کر آ نہلاتی ہوں تجھے۔'' دہلیز پر بیٹھی اماں بختے نے کھلے دروازے سے بیٹھے بیٹھے پلٹ کر اندر دیکھا رضیہ، سونو کا بازو پکڑے اب اسے غسل خانے کی طرف لے جا رہی تھی اماں نے دوبارہ گردن موڑ لی۔ سر جھکا کر اس نے گود میں پڑے ڈبے میں جھانکا...... سکوں کے درمیان پانچ کا وہ نوٹ پڑا تھا آج کے دن کی پہلی کمائی۔ اماں نے نوٹ کو سیدھا کیا پھر اس کی ایک تہ لگا کر اسے دوبارہ ڈبے میں رکھ دیا۔

''انسان کو پہلا گھاٹا کب ہوتا ہے......؟ جب وہ خود پیدا ہوتا ہے......؟ یا جب وہ اولاد پیدا کرتا ہے......؟ یا جب وہ پہلا گھر بناتا ہے......؟'' اماں پھر بڑبڑا رہی تھی۔

•••

''اب آنکھیں کھول......'' شریف نے اس کے ہاتھ پر کچھ رکھتے ہوئے کہا...... بختاور نے بے اختیار آنکھیں کھول کر اپنی ہتھیلی دیکھی، اس کی ہتھیلی پر ایک چابی رکھی تھی۔

''یہ کیا ہے......؟'' اس نے بے حد حیرانی سے شریف سے پوچھا۔

''یہ ہمارے گھر کی چابی ہے......!'' شریف نے بے حد فخریہ انداز میں کہا، بختاور جیسے کرنٹ کھا کر سیدھی ہوگئی۔

''ہمارے گھر کی چابی......؟ تو نے بیعانہ دے دیا......؟ سودا کرلیا......؟'' اس کی آواز شدت جذبات سے لرز رہی تھی۔ اس نے چابی مٹھی میں بھینچ لی تھی۔

''ہاں، میں نے سوچا تجھے اولاد پیدا ہونے پر خوش خبری دوں گا......'' شریف نے بڑے پیار سے کہا۔

''میرے اللہ...... تو کتنا مہربان ہے...... کیسے میرے دل کی سنی ہے...... دیکھ لے شریف میری اولاد کتنی خوش قسمتی لے کر آئی ہے ہم دونوں کے لیے......'' بختاور نے بے اختیار اپنے بیٹے کو چومتے ہوئے کہا۔

''تو بختاور ہے تو تیری اولاد بھی تو بختاور ہی ہوگی......'' شریف نے جیسے اس کی تائید کی۔

''پر بیعانے کے پیسے کہاں سے آئے تیرے پاس......؟'' بیٹے کو چومتے چومتے بختاور کو خیال آیا۔

''وہ سائیکل بیچ دی ہے میں نے اپنی۔'' شریف نے اطمینان سے کہا۔

''ہائے...... سائیکل کیوں بیچ دی؟'' بختاور نے بے ساختہ پریشان ہو کر کہا۔

''گھر سائیکل سے زیادہ ضروری تھا۔ کرایے کے گھر میں رکھتا تجھے ساری عمر......'' شریف بڑا مطمئن تھا۔

''کتنے کی بیچی......؟ گھاٹا ہوا ہوگا...... ابھی تو نئی

...ور نے کچھ تشویش سے کہا۔

...گھاٹا تو ہوا ہے...... پورے پیسے تو نہیں ...کی فکر نہیں مجھے......'' شریف پرسکون تھا۔

...اب کام پر کیسے جایا کرے گا تو اتنی دور......؟'' ...تو اب اس کی فکر ستانے لگی تھی۔

...پیدل جاؤں گا...... صحت کے لیے اچھا ہوتا ہے پیدل چلنا......'' شریف نے ہنس کر کہا۔

''روز پانچ میل چل کر آیا جایا کرے گا۔'' بختاور کو ...ہے یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

''تو ہی تو کہہ رہی تھی کہ میں موٹا ہو رہا ہوں۔ اچھا ...روز پانچ میل چلوں گا تو وزن کم ہو جائے گا۔''

''شریف......!'' شریف نے اسے بات مکمل کرنے نہیں دی۔

''اچھا چھوڑ اب یہ بات...... لے لوں گا سائیکل ...مہینے میں...... تو فکر نہ کر۔'' بختاور چند لمحے اس کا ...دیکھتی رہی پھر اس نے مٹھی کو کچھ اور بھینچ لیا۔

•••

''اماں...... کیا حال ہے تیرا......؟'' وہ دو... ...اماں کی ہمسائی رشیدہ تھی جو چار پانچ سال کے ...کو ساتھ لیے اس کے پاس کھڑی اس کا حال ...پوچھ رہی تھی اور اماں کے جواب دینے سے پہلے ہی اس ...بچے کا ایک سکہ اماں کی طرف بڑھاتے ہوئے

...چنو کو چار ٹافیاں دینا......'' اماں نے سکہ اس ...لیتے ہوئے کہا۔

''...ہی ذرا گھاٹا ہے۔'' عورت نے جواباً کچھ ...اپنے بچے کے بالوں میں سے ایک تنکا ...نکالا۔ اماں بختے نے سکے ڈبے میں ڈال کر ٹافیوں ...سے چار ٹافیاں نکال کر بچے کے ہاتھ میں ...بچے نے فوری طور پر ایک ٹافی کا ریپر کھول کر ...منہ میں ڈال لیا۔

''...سبزی کے پیسے دے گیا تھا اور اس نے ٹافی ...لی تھی۔ اب تھوڑی سبزی خریدوں گی تو ...کے ساتھ سالن کہاں بچے گا...... پر مجال ہے چنو کو چین آ جائے......'' وہ عورت اماں بختے سے چنو کی شکایت کر رہی تھی ساتھ پیار سے اس کے بالوں پر ہاتھ بھی پھیر رہی تھی۔

''لا ایک ٹافی ماں کو بھی دے۔'' عورت نے بڑے لاڈ سے چنو سے کہا۔ چنو نے بے اختیار ٹافیوں والی مٹھی کمر کے پیچھے کی۔

''میں نہیں دیتا...... پھر دو رہ جائیں گی میرے پاس۔'' چنو نے دوٹوک انکار کیا عورت فخریہ انداز میں کھلکھلا کر ہنسی۔

''دیکھا اماں، حساب میں کتنا تیز ہے...... کیسے جھٹ پٹ جمع تفریق کر لیتا ہے۔'' رشیدہ نے اماں بختے سے کہتے ہوئے چنو کا ہاتھ پکڑا اور اپنے گھر کی طرف چل دی۔

''سلام اماں......'' وہ رضیہ کے پاس سلائی سیکھنے کے لیے آنے والی دو لڑکیاں تھیں وہ بھی اماں کے جواب کا انتظار کیے بغیر دہلیز پار کر کے اندر چلی گئی تھیں۔

جس جگہ اماں کی چارپائی ہوتی تھی، اب وہاں ایک دری بچھی تھی اور اس دری پر چند سلائی مشینیں اور کچھ کپڑے پڑے تھے۔ رضیہ کے سلائی اسکول میں دس لڑکیاں سلائی سیکھنے آتی تھیں اور یہ تعداد بڑھتی گھٹتی رہتی تھی۔ رضیہ نے یہ اسکول پانچ سال پہلے شروع کیا تھا...... اور اس کے آغاز کے ساتھ ہی صحن میں اماں بختے کی چارپائی والی جگہ کی شدید ضرورت آن پڑی تھی...... اور چونکہ ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے اس لیے کئی سالوں سے اپنا پورا دن صحن کے اس کونے میں پڑی اس چارپائی پر گزارنے والی اماں بختے کو گھر کی دہلیز کے باہر یہ دکان کھولنی پڑی تھی، پہلے اماں کو رضیہ نے بیس، پچیس چیزیں بیچنے کے لیے دی تھیں پھر بہت جلد اسے احساس ہو گیا کہ اس چھوٹی سی گلی میں اتنی بہت سی چیزوں کا کوئی خریدار نہیں تھا...... اس گلی کے دونوں سروں پر بڑی گلیاں تھیں اور ان گلیوں میں چھوٹی چھوٹی دکانوں کے ساتھ چند جنرل اسٹور بھی تھے...... اماں بختے کے پاس اس گلی کا ہی کوئی خریدار آ سکتا تھا اماں بختے کی دکان کے سامان کے لیے نہیں اور سے کوئی

خریدار آنے والا نہیں تھا۔

چند مہینوں میں ہی بیچی جانے والی اشیا کی دہائی کم ہونے لگی تھی۔ شروع میں اماں بختے روز دس پندرہ روپے کما ہی لیتی تھی......! ان دس پندرہ روپے سے اس کے مہینے کے چھوٹے موٹے اخراجات پورے ہونے کے ساتھ کئی بار گھر کی سبزی اور آٹا بھی آجاتا۔ عبدل کو ماں کو اب ہر مہینے کچھ نہیں دینا پڑتا تھا۔ دوسری طرف رضیہ اس لیے خوش تھی کہ وہ چارپائی والی جگہ کو استعمال کر رہی تھی...... سلائی اسکول میں وہ دو اور لڑکیاں لے سکتی تھی کیونکہ گنجائش نکل آئی تھی پھر آہستہ آہستہ اماں کا منافع کم ہونے لگا...... پہلے منافع کم ہو پھر ختم ہو گیا۔

کچھ عرصے تک دکان بغیر منافع کے چلتی رہی......

پھر گھاٹا ہونے لگا تھا...... دو روپے، چار روپے...... اور اب یہ گھاٹا بڑھ کر کبھی کبھار پچاس روپے تک بھی چلا جاتا تھا۔ عبدل کو ہر مہینے ایک بار پھر اماں بختے کی دکان میں پیسے ڈالنے پڑتے تھے...... گھر میں جو ہنگامہ ہوتا وہ الگ...... رضیہ ہر روز آسمان سر پر ضرور اٹھاتی لیکن وہ اماں کی دکان ختم کرنے پر تیار نہیں تھی...... دکان ختم کرنے کا مطلب اماں کی گھر کے اندر چارپائی کے ساتھ واپسی تھی اور اس چارپائی کے دوبارہ پہنچنے کی صورت میں اسے کم از کم دو لڑکیاں اسکول سے کم کرنی پڑتیں...... اور دو لڑکیاں کم کرنے کا مطلب ماہانہ دو تین ہزار روپے کا گھاٹا تھا...... اماں کی دکان سے ماہانہ ہونے والا گھاٹا چھ سات سو تھا...... دکان کے گھاٹے کے ساتھ بھی اماں کا گھر سے باہر رہنا رضیہ کے لیے گھاٹے کا سودا نہیں تھا۔

''اماں، چائے لے لو......'' سونو ایک کپ پکڑے بڑی احتیاط سے دہلیز پار کرتا باہر آیا۔

''ٹھہر میں پکڑتی ہوں۔'' اماں نے بڑی احتیاط کے ساتھ اس سے کپ پکڑا سونو اماں کے پاس دہلیز پر بیٹھ گیا۔ وہ نہا کر آیا تھا اور رضیہ نے تیل لگا کر اس کے بالوں کی مانگ نکالی تھی۔ پھر اس کی آنکھوں میں سرمہ لگایا تھا پھر سرمے سے ہی نظر کا ایک ٹیکا اس کے ماتھے پر بھی لگا دیا تھا۔

سونو بڑی منتوں مرادوں کے بعد پیدا ہوا تھا...... چار بیٹیوں کے بعد...... وہ عبدل اور رضیہ کا اکلوتا بیٹا تھا...... یہ سلائی اسکول سونو اور بچیوں کو انگلش میڈیم اسکول میں پڑھانے کی خواہش کے لیے معرضِ وجود میں آیا تھا۔

''یہ والی ٹافی دو نا اماں......'' سونو نے پاس بیٹھتے ہی ٹافیوں کے ڈبے میں جھانکتے ہوئے ایک ٹافی پر انگلی رکھی۔

''ٹھہر بے صبرے میں خود دیتی ہوں تجھے......'' اماں نے پوپلے منہ کے ساتھ ہنس کر اس سے کہا۔ پھر چائے کا کپ رکھ کر اس نے ٹافی نکالی اور سونو کو تھما دی۔

''نہا کر کتنا پیارا لگ رہا ہے میرا بچہ۔'' چائے کا کپ دوبارہ اٹھاتے اٹھاتے اماں کو سونو پر پیار آیا۔ سونو ٹافی کا ریپر کھولنے میں مصروف تھا اس نے اماں کی محبت پر غور نہیں کیا۔ اماں کپ اٹھا کر سڑک سڑک کر گرم چائے پینے لگی۔ بس رضیہ اس معاملے میں اچھی تھی گھر میں چائے بنتی تو اماں کو بغیر پوچھے ایک کپ مل جاتا چائے کا وہ کپ اماں کو اگلے آدھے گھنٹے کے لیے مصروف رکھتا تھا۔

''سلام اماں......'' اماں کے پاس سے سلائی اسکول کی دو اور بچیاں گزری تھیں پھر سونو بھی یک دم کھڑا ہو گیا۔

''تو کہاں جا رہا ہے......؟'' اماں نے چائے پیتے اسے ٹوکا۔

''میں گھر جا رہا ہوں......'' دہلیز پر کھڑے ہو کر ٹافی چوستے ہوئے اس نے اعلان کیا اور گھر کی دہلیز عبور کر لی۔ اماں اس دہلیز کو دیکھتی رہی جیسے چند لمحوں پہلے اس کے پیروں نے عبور کی تھی۔

●●●

''اندر چل...... یہاں کیوں کھڑی ہے......؟'' شریف نے اسے ٹہوکا دیا۔

''مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا شریف کہ میں اپنے گھر کے دروازے پر کھڑی ہوں...... سچ سچ بتا یہ کوئی خواب نہیں ہے۔'' بختاور کی آنکھیں اب پانی سے بھرنے لگیں وہ خوشی سے جیسے بے قابو ہو رہی تھی۔

''کوئی خواب نہیں ہے یہ بختے اپنا ہی گھر ہے...... چل اندر چل......'' شریف اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے دروازے سے اندر لے آیا تھا۔

دو کمرے، برآمدے ایک غسل خانے اور ایک چھوٹے سے صحن کا وہ ساڑھے تین مرلے کا گھر اس وقت بختاور کو تاج محل سے کم خوب صورت نہیں لگ رہا تھا...... کیونکہ وہ اس کا گھر تھا...... اپنا گھر...... صحن کے وسط میں کھڑی وہ جیسے خوشی سے بے قابو اپنے سینے پر دونوں ہاتھ رکھے سامنے برآمدے اور اس کے پار دونوں کمروں کے بند دروازوں کو بے یقینی سے دیکھتی رہی۔

''میری ماں کو پچاس سال کی عمر میں اپنا گھر نصیب ہوا اور دیکھو شریف میں تو ابھی پچیس سال کی بھی نہیں ہوئی اور اپنے گھر میں کھڑی ہوں اس نے شریف سے کہا۔'' شریف جواباً کچھ اداسی سے مسکرایا۔

''اور میری ماں کو تو ساری عمر اپنا گھر نصیب نہیں ہوا...... کرائے کے گھر میں ہی ساری عمر گزر گئی اس کی...... اپنی اپنی قسمت ہے بختے۔''

بختاور اس کی بات سنے بغیر اب گھر کے کمروں میں دیوانہ وار جا جا کر دیکھ رہی تھی۔ شریف کو اس کی خوشی پر ہنسی آرہی تھی وہ تو بالکل ہی دیوانی ہوئی تھی۔ دو کمرے، برآمدہ، باورچی خانہ، غسل خانہ، صحن، چھت۔

''میرے مولا کیسے بھاگ لگا دیے تو نے......'' وہ خوشی سے بے قابو ایک ایک چیز کو تکنے میں مصروف تھی اس کا بس چلتا تو گھر کی اینٹیں تک گن ڈالتی۔

''ہاں بس اللہ کا کرم ہے...... کچھ مرمت ہونے والی ہے پچھلا مالک مکان بتا رہا تھا کہ برسات میں ٹپکتی ہیں...... برآمدے کا فرش کچا ہے...... اور کچھ جگہ سے یہاں ٹوٹی ہوئی ہیں پر باقی سب ٹھیک ہے۔'' شریف نے اسے جیسے آگاہ کیا۔

''میں اپنی یہ چوڑی بیچ دوں گی، تو اسے بیچ کر کرا لینا......'' بختاور نے بے اختیار اسے پیشکش کی۔ شریف نے اسے ٹوکا۔

''ایک ہی تو چوڑی ہے تیرے پاس وہ بھی بیچ دے گی؟''

''تو کیا ہوا......؟'' بختاور نے بے پروائی سے کہا۔

''تو پہنے گی کیا......؟'' شریف کو اب بھی تشویش تھی۔

''کانچ کی چوڑیاں...... ایک نہیں ڈھیر ساری......!'' بختاور نے ہنستے ہوئے چوڑی اتاری اور شریف کے ہاتھ پر رکھ دی۔

''پر سونا بیچ کر ہمیشہ گھاٹا ہوتا ہے......'' شریف نے چوڑی کو دیکھ کر کہا۔

''کتنا گھاٹا ہو جائے گا......؟'' بختاور نے کچھ تشویش سے پوچھا، شریف چوڑی کو دیکھنے لگا اور چوڑی بے اختیار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔

●●●

تڑاق کی آواز کے ساتھ کپ اماں کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گرا اور دو ٹکڑے ہو گیا...... اماں بختے بے اختیار جیسے چونک کر حال میں آئی تھی۔ تبھی سونو گھر سے نکل آیا اس نے بے حد تشویش سے جھک کر اماں کے قدموں میں پڑے کپ کے ٹکڑے اٹھائے اور کہا

''کپ ٹوٹ گیا اماں......؟''

''ہاتھ سے چھوٹ گیا سونو......!'' اماں نے فق چہرے کے ساتھ کہا۔

''پر اماں نے تو کپ لینے کے لیے بھیجا تھا مجھے......؟'' سونو اب پریشان ہو رہا تھا۔

''یہ نمکو کا پیکٹ لے لے اور تو اماں سے کہہ دینا کہ تجھ سے ٹوٹ گیا ہے۔'' اماں نے میز پر پڑا نمکو کا ایک پیکٹ اٹھا کر اسے تھماتے ہوئے بڑی لجاجت کے عالم میں کہا۔

''اچھا میں کہہ دوں گا......'' سونو نے خوشی خوشی وہ پیکٹ لے لیا اور کپ کے ٹکڑے ہاتھ میں لیے اندر چل دیا۔

صحن میں لڑکیوں کو سلائی سکھاتی رضیہ نے کپ کے ٹکڑوں کے ساتھ سونو کو اندر آتے دیکھا اور وہ وہیں بیٹھے بیٹھے چلائی۔ ''اس بڑھیا نے کپ توڑ دیا......؟''

”نہیں اماں، یہ تو میرے ہاتھ سے ٹوٹا ہے......؟“ سونو نے نمکو کا پیکٹ دانت سے کھولتے ہوئے بڑی صفائی سے جھوٹا بولا۔ رضیہ کا پارہ جتنی تیزی سے اوپر گیا تھا اس سے زیادہ تیزی سے نیچے آیا۔

”تو بھی بس...... چل کوڑے کی ٹوکری میں پھینک اس کپ کو...... ذرا سا بچہ ہے اب روز روز چائے ڈھوتا ہے تو کپ تو ٹوٹے گا ہی اس سے۔“ رضیہ نے پاس بیٹھی لڑکیوں سے کہا پھر ساتھ ہی دور بیٹھی ایک قمیص کاٹتی لڑکی کو ڈانٹا۔

”یہ کیسے کاٹ رہی ہے تو...... قمیص بنانی ہے یا رضائی بنانی ہے تو نے......؟“ سونو کپ پھینک کر نمکو کھاتا رضیہ کی گود میں آ کر بیٹھ گیا اور زبردستی اس کے منہ میں نمکو ڈالنے لگا۔ رضیہ نے نمکو کے چند دانے چباتے ہوئے بڑے پیار سے اکلوتے بیٹے کا منہ چوما۔ سونو نے جواباً اس کا منہ چوما۔

عبدل اسی وقت کام پر جانے کے لیے اندر سے نکلا۔ رضیہ کی گود میں بیٹھے سونو کو اٹھا کر اس نے اس کا منہ چوما پھر چلتے ہوئے دہلیز کے پاس اسے اتار کر وہ دہلیز پر بیٹھی اماں بختے کو سلام کیے بغیر تیز قدموں سے گھر سے نکل گیا۔ اماں بختے نے خود اسے سلام کر کے دعا دی تھی۔ ”اللہ حافظ! خیر سے جا خیر سے آ۔“ عبدل نے پیچھے پلٹ کر جواب دینے یا دیکھنے تک کی زحمت نہیں کی تھی۔ اماں بختے تب تک عبدل کو دیکھتی رہی جب تک اس کا دھندلا وجود گلی کا موڑ نہ مڑ گیا۔

●●●

شریف نے چونک کر کھانا کھاتے ہوئے اس کاغذ کو دیکھا۔ جو بختاور نے اسے پنکھا جھلتے جھلتے اچانک اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ ”یہ کیا ہے......؟“

”میں نے آج گھر کی مرمت اور دوسری چیزوں کا حساب لگایا ہے...... وہ ساری چیزیں جو گھر میں ہونے والی ہیں۔“ بختاور نے اسے بتایا۔ کھانا کھاتے کھاتے اپنی انگلیاں چوس کر صاف کرتے ہوئے شریف نے وہ کاغذ اٹھا کر کچھ تجسس کے عالم میں پڑھا۔ اس کے ماتھے پر کچھ بل آ گئے تھے۔

”یہ تو بڑے پیسے لگ جائیں گے بختے...... چوڑی بیچ کر آئے پیسے تو نہیں ملیں گے......“ اس نے کچھ تشویش سے کہا۔

”پتا ہے مجھے۔ اس لیے میں نے سوچا ہے اپنی بالیاں اور شادی کی انگوٹھی بھی بیچ دوں۔ زیور کا کیا ہے زیور تو آ ہی جاتا ہے۔“ اس نے بے حد اطمینان کے ساتھ کہا۔

”پر بختے ابھی مکان کی قسطیں جانی ہیں۔ مرمت پر سارا پیسہ لگا دیں گے تو...... تو قسطیں کہاں سے دیں گے۔ اگر زیور بیچنا ہی ہے تو قسطوں کے پیسے دے دیتے ہیں۔ مرمت تو میں اور تم مل کر تھوڑی تھوڑی کرتے رہیں گے۔“ بختاور یک دم کچھ مایوس ہو گئی۔

”خود کیسے کریں گے مرمت......؟“

”چل تو نہ کرنا میں کر لوں گا۔ چھٹی والے دن شروع کرتا ہوں کام۔“ شریف نے فوراً کہا۔

”ایک چھٹی کا دن ہی ہوتا ہے تیرے پاس آرام کرنے کے لیے...... وہ بھی کام میں ضائع کرے گا...... چھوڑ شریف...... تھوڑا تھوڑا کر کے میں کر لوں گی۔ رنگ کر لوں گی، پلستر بھی تھوڑا بہت کر سکتی ہوں۔“ بختاور نے سوچتے ہوئے کہا۔

”تو بچہ سنبھالے گی یا یہ کام کرے گی۔ میں جب کام کروں گا نا تو تو ساتھ ساتھ ہاتھ بٹا دینا میرا...... اس طرح بچے کو چھوڑ کر گھر کی مرمت پر دھیان نہ دے...... دیکھ وہ شاید جاگ گیا ہے...... ذرا لے کر آ اسے میرے پاس۔“ بات کرتے کرتے شریف نے پنگھوڑے میں حرکت دیکھی۔

●●●

”ایک غبارہ لے لوں اماں......؟“ سونو نے اسے چونکایا۔ وہ ایک غبارہ ہاتھ میں لیے کھڑا تھا۔

”چل لے لے...... ہوا بھر کے دکھا مجھے۔“ اماں نے بڑے شوق سے اپنی عینک ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔ سونو بڑی پھرتی سے غبارے میں ہوا بھرنے لگا۔ غبارے میں آدھی ہوا بھر کر اس نے اماں کے سامنے کیا۔ اماں نے بڑے اشتیاق کے ساتھ غبارے کو ہاتھ

کر دیکھا۔

”پوری ہوا نہیں بھری......؟“ اماں نے اعتراض کیا۔

”پھٹ جائے گا اماں۔“ سونو نے فوراً کہا۔

”پھٹ جائے گا تو کیا ہوا؟ دوسرا دے دوں گی تجھے۔“ اماں نے کہا۔

”دوسرا دو گی تو گھاٹا ہو جائے گا اماں۔“ اماں ساکت ہو گئی۔

●●●

”مجھے تجھ سے ایک بات کرنی ہے شریف۔“ بختاور رات کے وقت شریف کی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

”ہاں بول......!“ شریف نے کچھ چونک کر اسے دیکھا۔

”تو درزی کے کام کے ساتھ ساتھ کوئی اور کام بھی ڈھونڈ۔“ شریف اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”کیوں......؟ کیا ہوا......؟“

”اب گزارہ مشکل ہوتا شریف...... گھر کی اگلی قسط قریب ہے اس بار پھر کسی سے قرضہ لینا پڑے گا۔“ بختاور پریشان تھی۔

”میں خود بھی یہی سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں۔“ شریف نے بے حد تھکے ہوئے انداز میں کہا۔

”اب تو بیچنے کے لیے بھی کچھ نہیں رہا۔“ بختاور نے ایک گہری سانس لی۔

”گھر کے اخراجات کچھ کم ہو جائیں تو......؟“

بختاور نے شریف کی بات کاٹ دی۔

”اور کتنے اخراجات کم ہوں گے۔ پہلے ہی ایک وقت کا کھانا کھاتے ہیں ہم لوگ۔ دوپہر کو تو چٹنی یا پیاز کے ساتھ روٹی کھاتی ہوں میں۔ بچے کو دودھ کے علاوہ کچھ بھی نہیں دیتی۔ چائے تک دودھ کے بغیر پیتی ہوں میں۔ کتنے مہینوں سے کوئی نیا کپڑا، نیا جوتا نہیں لیا میں نے اپنے لیے...... بچے کے بھی کپڑے ان کترنوں سے سیتی ہوں جو تم دکان سے لے کر آتے ہو...... اب اور کون سے اخراجات کم کروں میں شریف......؟“ وہ بھی

شریف ہی کی طرح تھکی ہوئی تھی۔ گھر تو خیر لے لیا تھا ان دونوں نے لیکن اس کی ہی اقساط اب ان دونوں کو بے حال کر رہی تھیں۔

”اچھا میں بات کروں گا کل کسی سے۔ رات کا کوئی کام مل جائے...... چار پانچ گھنٹوں کا تو...... کچھ پیسے تو مل جائیں گے۔“ شریف نے کچھ سوچ کر کہا۔

”میں نے بھی حمیدہ سے کہا ہے کہ مجھے بھی لفافے بنانے کے لیے لا دیا کرے سارا دن فارغ رہتی ہوں۔ مہینے کے کچھ روپے تو آ ہی جائیں گے اور کچھ نہیں تو بچے کے بسکٹ اور دوا دارو کے پیسے تو نکل ہی آیا کریں گے۔“ بختاور ہر رات کی طرح اس وقت بھی بیٹھی حساب کر رہی تھی۔ شریف کچھ کہے بغیر چارپائی پر لیٹ گیا۔ بختاور نے چونک کر اسے دیکھا۔

●●●

غبارہ ایک دھماکے کے ساتھ پھٹا تھا۔ اماں بختے ہڑبڑا اٹھی۔ اس کی ناک پر ٹکی عینک گرتے گرتے بچی۔ پہلے بھی وہ عینک دو تین دفعہ گری تھی اور اس کے موٹے شیشے ایک دو جگہ سے تڑخ گئے تھے۔ اس کے فریم کا ایک کنارہ بھی ٹوٹ گیا تھا جسے رضیہ نے ٹیپ اور دھاگے لپیٹ کر جوڑا تھا۔ دھندلا نظر تو اماں کو پہلے بھی بمشکل آتا تھا۔ اب عینک کے شیشوں میں چند لکیریں اور بڑھ گئی تھیں تو کیا۔ نیا شیشہ بھی ڈال دیا جاتا تب بھی اماں کی آنکھوں کی لکیریں اور دھندلاہٹ کہاں ختم ہونی تھی۔

”دیکھا اماں پھٹ گیا ناں......! میں نے پہلے ہی کہا تھا۔“ وہ سونو تھا جس نے اماں کے کہنے پر غبارے میں مزید ہوا بھرنے کی کوشش کی تھی اور غبارہ پھٹ گیا تھا۔ اماں بختے نے کپکپاتے ہاتھوں کے ساتھ ایک اور غبارہ نکال کر اسے دیتے ہوئے پچکارا۔

”میرا بچہ...... فکر کیوں کرتا ہے...... بڑے غبارے پڑے ہیں...... یہ لے۔“ سونو نے خوشی خوشی اماں سے غبارہ پکڑ لیا۔

”کھانا لا کے دوں......؟“ اس نے ساتھ ہی پوچھا۔ اماں نے سر ہلا دیا۔ سونو بھاگتے ہوتے اندر چلا

گیا تھا اماں نے ایک بار پھر گلی میں آتے جاتے لوگوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔ ابھی تک ...... آیا تھا اس نے ایک نظر دوبارہ پیسوں والے ڈبے کے اندر ڈالی۔

●●●

”سلام بختے ......“ حمیدہ نے دروازہ کھول کر اندر آتے ہوئے کہا۔ بختاور صحن میں بیٹھی لفافے جوڑ رہی تھی اور ساتھ ساتھ جھولے میں پڑے بچے کو جھلا رہی تھی۔

”وعلیکم اسلام ...... آج صبح صبح کیسے آ گئی حمیدہ ......؟“ بختاور نے جواباً پوچھا۔

”محلے کی عورتیں مینا بازار چل رہی ہیں میں نے سوچا تجھے بھی پوچھ لوں۔“

”نہیں حمیدہ، مجھے تو بڑا کام ہے۔“ بختاور نے فوراً کہا۔

”وہ سب کو ہی ہوتا ہے۔ کون سا روز جانا ہے ہمیں ...... کبھی کبھار گھر سے نکلنا چاہیے بختے ......!“

”پر مجھے ابھی منے اور شریف کے کپڑے دھونے ہیں۔ لفافے رہنے بھی دوں تو بہتیرے کام ہیں مجھے۔“ بختاور نے صاف انکار کر دیا۔

”شوہر، گھر اور بچے کسی کو کچھ نہیں ہوتا ...... سب یہیں رہتے ہیں ...... عورت کے پاس کچھ وقت اپنے لیے بھی ہونا چاہیے۔ گھر اور بچوں کے لیے تو ساری عمر ہی جان مارنی ہوتی ہے۔“ حمیدہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی اس کے لفظوں نے بختاور پر کوئی اثر نہیں کیا تھا۔

”ہاں مگر میرے پاس پیسے بھی نہیں ہیں۔ مینا بازار آنے جانے کا کرایہ وہاں کھانا پینا ...... کچھ خریدنا ...... نہ حمیدہ میرے پاس پیسے نہیں۔“ بختاور نے اپنی مشکل بتائی۔

”ارے تو، تو مجھ سے ادھار لے لے ...... بعد میں دے دینا ...... پہلے بھی تو گھر اور بچے کے لیے ادھار لیتی رہی ہے ...... اس بار اپنے لیے لے لینا ......“ حمیدہ نے فوراً پیش کش کی۔ لفافہ جوڑتے جوڑتے ایک لمحے کے لیے بختاور کے ہاتھ رکے پھر اس نے یک دم کہا۔

”نہیں حمیدہ، اپنے لیے ادھار نہیں لے سکتی ...... یہ تو نرا گھاٹا ہے۔“ حمیدہ نے کچھ حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

●●●

”اماں تو سو رہی ہے کیا ......؟“ وہ سونو کی آواز پر ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔ وہ اس کے قریب جھکا مدھم آواز میں بڑے پُراسرار انداز میں پوچھ رہا تھا۔

”نہیں ...... نہیں سو کہاں رہی ہوں ...... ایسے ہی آنکھ لگ گئی ......“ اماں بختے نے فوراً صفائی دی۔

”اماں نے کہا تھا کہ دیکھ کر آ کہیں تو سو تو نہیں رہی ...... کوئی چیز اٹھا کر لے گیا تو گھاٹا ہوگا ......“ سونو نے اتنی مدھم آواز میں کہا جیسے وہ اپنی اور اماں کی گفتگو کو رضیہ تک پہنچنے سے بچانا چاہتا تھا۔

”پتا ہے مجھے ...... اب تو اماں سے مت کہنا ...... یہ وال سویاں لے لے۔“ اماں نے فوراً ایک کاغذ پر کچھ وال سویاں رکھتے ہوئے اسے پکڑائیں۔

”اور کھانا نہیں لایا تو ......؟“ اماں کو سویاں پکڑاتے پکڑاتے ایک کام یاد آیا۔

”وہ کھانا پکا نہیں ...... اماں نے ہانڈی رکھی ہی ابھی ......“ سونو نے بڑے مزے سے منہ میں وال سویاں ڈالتے ہوئے کہا۔ وہ سویاں کھاتے ہوئے گھر کے اندر آ گیا۔

”کیوں سو رہی تھی نا بڑھیا ......؟“ رضیہ نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ وہ بچی سے کپڑا کاٹ رہی تھی۔

”نہیں تو ...... وہ تو جاگ رہی تھی۔“ سونو نے اطمینان سے جھوٹ بولا۔

”سچ کہہ رہا ہے؟“ رضیہ نے کچھ ٹٹولنے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

”اور کیا ...... یہ کھاؤ اماں ......“ سونو نے ساتھ ہی چند سویاں رضیہ کے منہ میں ڈال دیں۔ رضیہ تو بیٹے کے اس لاڈ پر جیسے قربان ہو گئی تھی۔

”میرا چاند ...... میرا لعل ...... آ میرا سونو ...... میری گود میں آ کے ...... تھک گیا ہوگا۔“ رضیہ نے اسے زبردستی اپنی گود میں بٹھاتے ہوئے کہا۔

”میں نہیں تھکتا ......“ سونو نے اطمینان سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”ہاں تو، تو بڑا پہلوان ہے تو کیوں تھکے گا ......؟“ رضیہ نے ہنستے ہوئے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

”لیٹ جا اماں کی گود میں ......“ رضیہ نے زبردستی اسے لٹا کر اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ سونو نے آنکھیں بند کر لیں چند لمحے وہ اسی طرح ساکت لیٹا رہا پھر ایک دم اس نے آنکھیں کھول دیں۔

”پر میں سو گیا تو اماں کو کھانا کون دے گا ......؟“ رضیہ نے اسے بے حد خفگی سے ایک چپت لگائی۔

”دادی کا کتنا سگا بنتا ہے ...... سو جا چپ کر کے ......!“ رضیہ نے بے حد ناخوش ہو کر کہا ...... سونو ناخوش ہو کر کچھ دیر ماں کے پاس لیٹا رہا پھر رضیہ دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی اور سونو چپکے سے اٹھ کر پھر گھر سے باہر آ گیا۔

”جا سونو کنگھی اور شیشہ لے کر آ ......“ اماں بختے نے اسے دیکھتے ہی فرمائش کی، وہ روز دہلیز پر ہی بیٹھ کر ...... جو ان بالوں کو سنوارا کرتی تھی جو اب بڑی ...... کی زیادہ ...... ہو چکے تھے۔ سونو پلک جھپکتے میں اندر سے شیشہ اور کنگھا لے آیا لیکن اس بار اس نے اس کام کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کیا تھا۔ اپنی گود میں کنگھا اور شیشہ رکھ کر اماں بختے آہستہ آہستہ اپنے کپکپاتے ہاتھوں کے ساتھ اپنے سفید بالوں کی وہ بے ترتیب سی چٹیا کھولنے لگی تھی جو اب آدھے فٹ سے زیادہ نہیں رہ گئی تھی۔

بمشکل بال کھول کر اس نے آہستہ آہستہ بالوں میں کنگھا چلانا شروع کر دیا تھا سونو اس کے پاس بیٹھا بڑے شوق سے اسے بالوں میں کنگھا کرتے دیکھ رہا تھا اماں بختے نے سونو کو شیشہ تھماتے ہوئے کہا۔

”لے سونو، ذرا شیشہ پکڑ ...... میں چٹیا کروں ......“ سونو نے خوشی خوشی شیشہ پکڑ لیا ...... اماں نے آئینے میں اپنا عکس دیکھا اس کے ہاتھ تھم گئے۔

●●●

بختاور کمرے کی دیوار پر لگے آرائشی شیشے میں اپنے عکس کو مبہوت ہو کر دیکھ رہی تھی جبھی شریف کمرے میں آیا اور اسے شیشے کے سامنے کھڑے دیکھ کر پوچھا۔

”کیا دیکھ رہی ہے بختے ......؟“ بختاور نے چونک کر اسے دیکھا پھر وہ مسکرائی۔

”شیشے سے دیوار کیسی سج گئی ہے شریف ......؟“

”ہاں ......!“ شریف نے اپنی قمیص کی آستینیں اوپر کرتے ہوئے کہا۔

”اتنا سستا شیشہ مارا یہ ...... حمیدہ کو تو یقین ہی نہیں آیا جب میں نے اسے اس کی قیمت بتائی ......!“ وہ اپنے دوپٹے کے پلو سے بڑی احتیاط کے ساتھ شیشے کو صاف کر رہی تھی۔

”میں تو شکر ادا کرتا ہوں کہ قسطیں ختم ہو گئی ہیں ...... سر پر قرضہ نہیں ہے اب ......“ شریف نے ٹرنک کھولتے ہوئے کہا۔

”ہاں، اللہ کا شکر ہے ...... قرضہ ختم ہو گیا ورنہ کیسے جان عذاب میں رہتی تھی ہماری ......“ بختاور شیشہ صاف کرتے کرتے ایک لمحے کے لیے رکی اور اس نے جیسے سکون کا سانس لیا۔ شریف نے ٹرنک سے کچھ نوٹ گن کر نکالے اور بختاور کو دیے۔

”یہ کیا ......؟“ وہ حیران ہوئی۔

”اپنے لیے کپڑے بنوا لے ...... پورا سال ایک جوڑا بھی نہیں بنا تیرا ......“ شریف نے بڑے پیار سے اسے کہا تھا۔ بختاور نے کچھ شکر گزاری سے اس کے ہاتھ سے نوٹ پکڑ لیے آخری بار نیا جوڑا کب پہنا تھا اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔

●●●

”اماں ہاتھ تھک گئے میرے اب بس کرو نا ......“ سونو نے ایک پاؤں سے دوسرے پاؤں پر اپنا وزن منتقل کرتے ہوئے شیشہ پکڑے پکڑے کچھ بیزاری سے کہا۔

”ہاں، ہاں ...... میں ...... میں بس کر رہی ہوں ......“ اماں نے چونک کر اپنی چٹیا گوندھنا شروع کی۔ اس کے کپکپاتے ہاتھ چٹیا کو الٹے سیدھے بل دے رہے تھے ...... پر اس کا احساس تو خود اسے بھی نہیں تھا تو کسی دوسرے کو کیا ہوتا۔

''بس......؟'' آخری بل لگتے دیکھ کر سونو نے پوچھا۔

''ہاں بس......!'' اماں بختے نے تھکے ہوئے بازو کو ہلکا ہلکا دباتے ہوئے کہا۔ سونو نے اس کی گود سے کنگھا اٹھالیا۔

''روٹی پک گئی کیا......؟'' اماں نے اس سے پوچھا۔

''میں اماں سے پوچھ کے آتا ہوں......'' سونو نے اسے اطلاع دی۔

''نہیں، ماں سے مت پوچھنا وہ ناراض ہوگی...... تو خود باورچی خانے میں جا کے دیکھ کوئی روٹی بنا رہا ہے۔'' اماں بختے نے سے ٹوکا اور کہا...... دوپہر کا کھانا سلائی سیکھنے والی لڑکیاں ہی باری باری پکایا کرتی تھیں۔

''اچھا میں دیکھ کر آتا ہوں......'' سونو غڑاپ سے ایک بار پھر گھر کے اندر غائب ہوگیا اماں نے پیسوں کے ڈبے میں ایک بار پھر جھانک کر دیکھا بھوک کے وقت پیسے گننا بڑا مشکل کام تھا۔

●●●

''تو نے کچھ دیکھا شریف......؟'' شریف لقمہ منہ میں رکھتے رکھتے رک گیا۔

''کیا......؟''

''تو نے کچھ دیکھا ہی نہیں......؟'' بختاور کچھ مایوس ہوئی۔

''کہاں......؟'' شریف نے کچھ بے چارگی سے کمرے میں ادھر ادھر دیکھا۔ اسے اب بھی کچھ نظر نہیں آیا تھا۔

''کھڑکیوں کو دیکھ......'' بختاور نے جیسے اسے گائیڈ کیا اور شریف نے آخر کہا۔

''یہ پردے کہاں سے آئے......؟''

''اچھے ہیں ناں......؟'' بختاور بے اختیار خوش ہوئی۔

''ہاں، اچھے ہیں...... پر کہاں سے آئے......؟''

''میں خرید کر لائی ہوں...... لنڈا بازار سے......!'' بختاور نے بڑے فخریہ انداز میں کہا۔

''تیرے پاس پیسے کہاں سے آئے......؟''

''وہ تو نے کپڑوں کے لیے دیے تھے ناں اس سے پردے خرید لیے میں نے......'' شریف نے لقمہ پلیٹ میں رکھ دیا۔

''عید آرہی ہے، تجھے اس لیے کپڑے بنانے کے لیے دیے تھے......'' وہ ناراض ہوا۔

''جہاں دو عیدیں نئے کپڑوں کے بغیر گزر گئیں وہاں ایک اور سہی...... کیا فرق پڑتا ہے...... پر تو فکر نہ کر میں نے بچوں کے لیے عید کے کپڑے خرید لیے ہیں......'' بختاور نے اطمینان سے کہا۔

''دو سال سے ایک بار بھی ہم سینما نہیں گئے جیسے پہلے جاتے تھے۔'' شریف نے کچھ اداسی کے ساتھ کہا۔

''سینما کیا ہم تو ایک بار بھی کہیں گھومنے نہیں گئے...... جیسے پہلے جاتے تھے ساحل سمندر پر چھٹی کے دن...... کتنی باتیں کرتے تھے ہم وہاں بیٹھ کر'' بختاور بھی اداس ہونے لگی۔

''نان پکوڑے کھاتے تھے...... سوڈا پیتے تھے، بھٹا کھاتے تھے...... اور پھر وہ خوشبو والا پان......'' شریف کو پتا نہیں کیا کیا یاد آنے لگا۔

''اور اونٹ کی سیر......'' بختاور نے لقمہ دیا۔

''اور وہ پھولوں کا گجرا جو تو ہمیشہ لیتی تھی۔'' بختاور شرما کر ہنس دی۔ دونوں کو کچھ دیر چپ بیٹھے رہے پھر شریف نے کہا۔

''اب وہ سائیکل بھی نہیں جس پر تجھے بٹھا کر کہیں ساتھ لے جاؤں۔''

''اور اتنے فالتو پیسے بھی نہیں کہ ان ساری چیزوں پر ضائع کردیں۔''

''اور وقت بھی تو نہیں ملتا کہ میں اور تو دو گھڑی بیٹھ کر دکھ سکھ کی بات کرلیں۔'' شریف پھر اداس ہونے لگا، بختاور کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی آئی پھر وہ یک دم اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔

''میں بھی پتا نہیں کہاں کے قصے لے کر بیٹھ گئی، منے کو دودھ دینا تھا...... اور تو نے روٹی کیوں چھوڑ دی...... روٹی کھا...... میں نے بھی دیکھو ابھی تک پانی

نہیں لاکر دیا تجھے...... بڑی ہی کوڑھ مغز ہوگئی ہوں......'' وہ کہتے ہوئے دوپٹے سے آنکھیں رگڑتی ہوئی کمرے سے نکل گئی شریف ویسے ہی بیٹھا رہا تھا۔

●●●

''کھانا آگیا اماں......'' سونو نے چہکتے ہوئے اعلان کیا۔ ایک پلیٹ میں روٹی رکھے اور اسی پلیٹ کے کونے میں سالن کی ایک کٹوری رکھے وہ بڑی احتیاط سے دہلیز پر نمودار ہوا تھا...... اماں بختے ایک بار پھر حال میں واپس آگئی تھی۔

''لا میرے لعل...... روٹی دے مجھے......!'' اماں نے بے صبری اور خوشی سے کہا۔ روٹی اور چائے یا گھر سے کسی دوسری کھانے والی شے کا ملنا پورے دن میں اس کے لیے خوشی کے سب سے بڑے لمحات تھے۔ سونو نے پلیٹ اسے تھمادی اماں نے پلیٹ سامنے میز پر رکھ دی۔

''ہاتھ تو دھلا میرے......'' اماں نے سونو سے کہا۔ وہ اندر گیا اور چند سیکنڈز میں پانی کے ایک گلاس کے ساتھ نمودار ہوا...... وہیں نیچے بیٹھے نالی کے اوپر اماں نے ہاتھ بڑھا دیے اور سونو ان پر پانی ڈالنے لگا۔

''چل بس کر دھل گئے۔'' اماں نے اپنی قمیص کے ایک کونے سے ہاتھوں کو خشک کرتے ہوئے کھانے کی پلیٹ کو اٹھا کر گود میں رکھ لیا۔ سونو گلاس ہاتھوں میں لے دہلیز پر بیٹھ گیا۔ گلاس ابھی آدھا بھرا ہوا تھا یہ باقی کا پانی اماں کھانا کھاتے ہوئے پیتی تھی۔

''کتنے کا بک آئے اماں......؟'' سونو کو یک دم اور بار میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ اماں روٹی کا لقمہ ہاتھ میں پکڑے آلوؤں کے شوربے میں سے گوشت کا کوئی ٹکڑا ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ہفتے میں ایک دن میں بڑا گوشت پکتا تھا اور آج وہی دن تھا...... کٹوری کی تہ میں گوشت کے چند ریشے اور کچھ چھیچھڑے بالآخر اماں کو مل گئے اس نے جیسے خوش ہو کر لقمہ منہ میں رکھا۔

''دو گا بک آئے......'' منہ میں موجود چند آخری نوالوں کے ساتھ لقمے کو چوسنے اور چبانے کی جدوجہد کے دوران اس نے سونو کو بتایا۔

''میں پیسے گنوں......؟'' سونو نے فوراً پیش کش کی۔

''نہیں...... بے برکتی ہوتی ہے اس سے...... رات کو ہی گنیں گے...... جب دکان بند کروں گی......!'' اماں نے اسے بے اختیار روکا۔

''پر میرے سامنے گننا اماں...... میں نے دیکھنا ہے گھاٹا کیسے ہوتا ہے۔'' سونو نے معصومیت سے کہا۔ شوربے میں متحرک اماں کی انگلیاں ساکت ہو گئیں۔

●●●

''یہ فرنیچر برآمدے میں کیوں رکھ دیا ہے بختے......؟'' شریف گھر میں آتے ہی چونکا تھا۔ ڈرائنگ روم میں موجود واحد صوفہ اور میز برآمدے میں پڑے تھے۔

''اب یہ برآمدے میں ہی رہے گا......'' اس کے پیچھے آتی بختاور نے اطمینان سے کہا۔

''کیوں......؟'' شریف نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

''کیونکہ میں نے برآمدے کو ڈرائنگ روم بنا دیا ہے اور ڈرائنگ روم بچوں کو دے دیا ہے۔'' بختاور نے بتایا۔

''کیوں، بچوں کے بستر برآمدے میں لگا دیتی...... وہ تو وہاں بھی آرام سے سو سکتے تھے۔'' شریف نے اعتراض کیا۔

''لو، میں اپنے بچوں کو برآمدے میں سلاؤں۔ مہمان تو گھنٹے دو گھنٹے کے لیے آتے ہیں میں ان کو کیوں نہ برآمدے میں بٹھاؤں۔ میرے بچے رات کو برآمدے میں سوئیں اور انہیں ٹھنڈ لگ جائے تو کون ذمے دار ہے۔'' بختاور نے برا مان کر کہا۔

''چل اچھا کیا تو نے...... تیرا گھر ہے تو جو چاہے کر...... مہارانی ہے تو اس گھر کی......'' شریف نے ہنس کر اس کی خفگی دور کرنے کی کوشش کی اور اندر چلا گیا۔

''ہاں یہ تو ہے...... گھر تو میرا ہی ہے...... مہارانی تو میں واقعی ہوں یہاں کی......'' بختاور نے بڑے فخریہ

انداز میں گھر کو ایک نظر دیکھ کر سوچا۔

●●●

”اماں تو روٹی کیوں نہیں کھا رہی؟“ اسے گم صم بیٹھے دیکھ کر سونو نے کہا۔ اماں جیسے ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔ سالن اب ٹھنڈا ہو گیا تھا، سالن کے اوپر تیرتی چمکدار چکنائی اب ٹھنڈی ہو کر ایک تہ سی بنا رہی تھی شوربے کے اوپر، اماں نے ٹھنڈے سالن کے اندر روٹی کا ایک اور ٹکڑا بھگونے کی کوشش کی۔

”اور روٹی لا کر دوں......؟“ سونو نے اماں سے پوچھا۔

”ابھی پہلی کہاں کھائی ہے......؟“ اماں نے نم آنکھوں کے ساتھ لقمہ حلق سے اتارنے کی جدوجہد کی۔ اسے بے اختیار کھانسی ہونے لگی۔

●●●

”یہ کھانسی کیوں ہو رہی ہے تجھے......؟“ حمیدہ نے کچھ تشویش کے ساتھ بختاور سے پوچھا۔ وہ بری طرح کھانس رہی تھی۔

”پتا نہیں، ایک ہفتے سے ہو رہی ہے۔ پہلے کھانسی ہوتی ہے پھر سینے میں درد ہونے لگتا ہے۔“ بختاور نے اپنی کھانسی رکنے پر کہا۔

”کوئی دوا لی......؟“ حمیدہ نے پوچھا۔

”لو میں خوامخواہ دوا دارو پر پیسے ضائع کیوں کروں...... انہی پیسوں سے گھر کی کوئی اور چیز آ جائے گی۔“ بختاور نے ہنس کر بے پروائی سے کہا۔

”پھر بھی......!“ حمیدہ نے اصرار کیا۔

”میں نے پہلے کبھی دوائیاں کھائی ہیں جو اب کھاؤں گی، خود بیمار ہوتی ہوں خود ہی ٹھیک ہو جاتی ہوں...... آ تجھے بچوں کا کمرا دکھاؤں......!“ بختاور کو بات کرتے کرتے اچانک خیال آیا۔

”پورے محلے میں تیرے گھر جیسا کوئی گھر نہیں بختے، محلے کی عورتیں تو مثال دیتی ہیں تیری کہ بختے کے گھر تو روٹی زمین پر رکھ کر کھائی جا سکتی ہے ایسی صفائی ہے تیرے گھر کی......!“ حمیدہ نے اندر بچوں کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا بختاور کھانستے ہوئے دوپٹا منہ پر رکھتے ہوئے فخریہ انداز میں مسکرائی تھی۔

●●●

”پھر روٹی چھوڑ دی۔“ سونو نے اس بار اس کا ہاتھ ہلایا تھا۔ بختے جیسے خلا سے واپس آئی تھی سالن اب اور ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

”ہاں کھاتی ہوں میں۔“ اماں بختے نے بے حد بے دلی کے ساتھ کہا۔

”اماں میں تجھے ایک بوٹی لا کر دوں...... اپنے سالن سے......؟“ سونو کو ایک دم پتا نہیں کیا خیال آیا تھا۔

”بوٹی......“ اماں بختے بے اختیار بڑبڑانے لگی۔

●●●

”اماں اور سالن چاہیے۔“ بختاور کے سب سے چھوٹے اور تیسرے بیٹے عبدل نے ضد کی وہ سب صحن میں دسترخوان بچھائے کھانا کھا رہے تھے۔

”اور سالن تو نہیں ہے بیٹا...... کل زیادہ سالن بناؤں گی تجھے۔“ بختاور نے اسے بہلایا۔

”مجھے بس بوٹی والا سالن تو نہیں ہوگا...... مجھے بوٹی والا سالن لینا ہے۔“ عبدل نے ضد کی۔

”لا میں دیتا ہوں تجھے۔“ شریف نے اپنا کٹورا اٹھایا۔

”تو چھوڑ شریف، میں اپنا سالن ڈال دیتی ہوں اسے۔“ بختاور نے اسے ٹوکا۔

”نہیں اماں، میں نے ابا کا سالن لینا ہے...... بوٹی والا...... تیرے سالن میں بوٹی نہیں ہوتی۔“ عبدل نے فوراً کہا اور اپنا کٹورا باپ کے سامنے رکھ دیا۔ شریف نے اس کی بات پر ہنستے ہوئے اپنا تقریباً سارا سالن اس کٹورے میں الٹ دیا تھا۔

”یہ لے میرا بیٹا اب کھا......“ شریف خود اب اپنے برتن میں بچے ہوئے تھوڑے سے شوربے میں اپنی روٹی لگا لگا کر کھانے لگا تھا۔

●●●

”لاؤ، میں بوٹی لا کر دوں اماں......؟“ سونو نے اس کے ہاتھ سے سالن والا برتن لینے کی کوشش کی۔

اماں نے نم آنکھوں کے ساتھ اسے ٹوکا۔

”نہ سونو...... بس برتن اندر لے جا......“ اماں نے اسے پلیٹ پکڑا دی تھی۔

”پر تو نے روٹی تو کھائی نہیں اماں......؟“ سونو نے پلیٹ پکڑتے ہوئے اس سے کہا۔

”بھوک نہیں ہے سونو......“ اماں نے اداسی سے پانی کا گلاس پکڑ لیا۔

”بھوک کیوں نہیں ہے......؟“ سونو نے پوچھا۔

”اس عمر میں بھوک نہیں لگتی۔“

”کیوں اماں......؟“

”مجھے نہیں پتا......“ اماں نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

”تو پھر کس کو پتا ہے؟“ سونو ٹلنے والا نہیں تھا۔ اماں کچھ دیر چپ رہی پھر بولی۔

”اللہ میاں کو......“

”وہ کدھر رہتا ہے؟“ سونو نے تجسس سے کہا۔

”جہاں تیرا دادا ہے۔“ اماں بختے نے آنکھوں میں نمی لیے کہا۔

”دادا اللہ کے پاس کیوں رہتا ہے؟“ اماں بختے سے پانی نہیں پیا گیا۔

●●●

”بس ایک بار بچے بڑے ہو جائیں پھر سارے دلدر دور ہو جائیں گے ہمارے......“ شریف نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں رات کو صحن میں چارپائی پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

”پھر ہم بھی اپنے گھر کو پکا کریں گے۔“ بختاور نے کہا۔

”ہاں...... نقشہ بنا کر دوبارہ گھر بنائیں گے۔“ شریف کے پاس لمبی پلاننگ تھی۔

”اوپر والی منزل بھی بنوائیں گے۔“ بختاور نے سر اٹھا کر چھت کو دیکھا۔

”اور پورے گھر میں پتھر لگوائیں گے...... پالش کرتا ہوا۔“ بختاور کو میر صاحب کے گھر لگا پتھر یاد آیا۔

”اور کمرا ٹھنڈا کرنے والی مشین بھی منگوائیں گے باہر سے...... وہ جو حاجی صاحب کے گھر لگی ہے۔“ شریف کو بھی ایک دوسرا محلے دار یاد آیا۔

”اور وہ چیزیں ٹھنڈی کرنے والی مشین بھی لیں گے۔“

”اور ٹی وی بھی......!“ دونوں کو ایک کے بعد ایک چیزیں یاد آ رہی تھیں۔

”اور پھر ہم دونوں بڈھا بڈھی سارا دن اپنے پوتے پوتیوں کے ساتھ کھیلا کریں گے۔“ شریف نے ہنس کر کہا۔

”اور رات کو ہمارے بیٹے اور بہوئیں ہمارے پاس آ کر بیٹھیں گے۔“ بختاور نے خوابوں کی چادر میں ایک اور گرہ لگائی۔

”بیٹے تیرے پیر دبائیں گے۔“

”اور بہوئیں تیرے......!“ شریف نے بے ساختہ کہا۔

”ہماری خدمتیں کرتے پھریں گے...... ابا جی اور اماں جی کہہ کہہ کر......“ بختاور بھی ہنسی۔

”میں تو پھر سارا دن آرام سے لمبی تان کر سویا کروں گا۔“ شریف نے اپنے ارادے بتائے۔

”نہ، نہ ہم دونوں سیر کو نکلا کریں گے۔ سمندر پر جائیں گے جیسے اس گھر میں آنے سے پہلے جاتے تھے۔“ بختاور نے ایک عجیب سی حسرت کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑا شریف کی آنکھیں اب اندھیرے میں بھی جگنوؤں کی طرح چمک رہی تھیں۔

●●●

”سلام اماں بختے......“ وہ سترہ اٹھارہ سال کا ایک نوجوان لڑکا تھا اماں بختے نے چونک کر اسے دیکھا۔

”کیا لینا ہے؟“ اس نے سلام کا جوب دے کر کہا۔

”کچھ نہیں...... میں تو ملنے آیا ہوں...... پہچانا نہیں تم نے مجھے......؟“

اس لڑکے نے قدرے جوش کے عالم میں کہا اماں نے عینک سیدھی کرتے ہوئے اس کو پہچاننے کی کوشش

کی۔ دھندلاہٹ اتنی زیادہ تھی کہ اتنی دور کھڑے اس لڑکے کو وہ نہیں پہچان سکتی تھی۔

"میں زاہد کا بیٹا ہوں اماں...... وہ سامنے والے گھر میں رہتے تھے دس سال پہلے ہم لوگ......!" اس لڑکے نے تعارف کروایا اور اماں کو یک دم وہ یاد آ گیا۔ سات آٹھ سال کا ایک شرارتی بچہ جس نے پورے محلے کی جان عذاب میں کر رکھی تھی پھر وہ لوگ محلہ چھوڑ کر چلے گئے تھے اور اب وہ اسے آٹھ نو سال کے بعد دیکھ رہی تھی اس لڑکے کی ماں رضیہ کی بڑی پکی سہیلی تھی۔

"ہاں روشن یہ تو ہے...... تو تو جوان ہو گیا......" اماں نے بے ساختہ کچھ حیران ہو کر کہا۔

"اماں جوان ہوا ہوں بوڑھا تو نہیں ہوا......" روشن نے اسی طرح چہک کر کہا تھا۔

"پر اتنی جلدی بڑا کیسے ہو گیا تو......؟" اماں کی حیرت ختم ہونے میں رہی تھی۔

"جس طرح ہر ایک کے بچے بڑے ہو جاتے ہیں......" روشن نے چہک کر کہا اور چل پڑا۔

"سب کے بچے۔" اماں بڑبڑائی۔

●●●

"بختے میرے نئے جوتے نہیں مل رہے۔" بختاور صحن میں کپڑے دھو رہی جب شریف برآمدے میں پڑی چارپائی کے نیچے جھانکتا باہر آیا تھا۔

"وہ جبار پہن کر گیا ہے۔" بختاور نے آرام سے کہا۔

"جبار......؟" شریف کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔ "اسے پورے آ گئے......؟" وہ حیران تھا بختاور ہنسی۔

"تیرا بیٹا جوان ہو گیا ہے شریف...... کدھر بیٹھا ہے تو آنکھیں کھول کر دیکھا کر۔"

"ہاں مگر میرے جوتے تو بہت بڑے تھے۔" شریف کو اب بھی بے یقینی تھی۔

"میرے بیٹے کو تو چھوٹے پڑ رہے تھے۔ بڑی مشکل سے اٹکا کر گیا ہے پیروں میں......" بختاور نے بے حد فخر سے کہا۔

"پر کیسے...... بیٹے جوان ہو گئے...... پتا ہی نہیں چلا......" شریف کچھ حیرت سے کہتا ہوا کمرے میں واپس چلا گیا تھا بختاور اس کے جملے پر ہنستی کپڑے دھوتی رہی۔

●●●

عبدل کی چاروں بڑی بیٹیاں اسکول سے واپس آ گئی تھیں اماں بختے نے ان کے کھلکھلانے کی آواز دور سے ہی سن لی۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"سلام اماں......!" اماں کے پاس سے گزر کر گھر کے اندر جاتے ہوئے ان چاروں نے باری باری کہا تھا۔ اماں ایک ایک کے پیروں کو گھر کے اندر جاتا دیکھتی رہی سونو صحن میں چھوٹی بہن سے لپٹ رہا تھا پھر بڑی بہن نے اسے اٹھا کر پیار کیا...... سونو کی توجہ یک دم دادی سے بہنوں پر منتقل ہو گئی تھی اور اماں بختے کچھ بے چین ہو گئی۔

"سونو...... سونو......" اس نے بے اختیار آوازیں دینا شروع کر دیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اسے سونو کو آوازیں دیتا سن کر رضیہ بولنا شروع کر دے گی...... اور ایسا ہی ہوا تھا رضیہ نے اماں بختے کو جھڑکنا شروع کر دیا تھا۔ اماں اپنا جملہ پورا کیے بیٹھے بیٹھے...... لیکن...... سونو پھر بھی باہر آ گیا تھا اماں بختے کو رضیہ کے لعن طعن کی پروا نہیں تھی۔

"کیا ہے اماں......؟" سونو نے باہر آتے ہی پوچھا۔

"تجھے دادی بھول گئی کیا......؟" اماں نے اسے آتے دیکھ کر ٹافیوں کا ایک ڈبا ٹٹولنا شروع کر دیا تھا اور سونو نے اس کے ہاتھ کی حرکت دیکھ لی تھی۔

"نہیں تو اماں...... یہ والی ٹافی دے دو مجھے......" سونو نے لاڈ سے کہتے ہوئے اماں کو اپنی پسند بھی بتا دی تھی۔ اماں نے ایک کے بجائے دو ٹافیاں نکال کر اسے تھما دیں...... سونو نے بہت ہنستے ہوئے اماں سے ٹافیاں لی تھیں۔

"اب بیٹھ جا میرے پاس......" اماں بختے نے اس سے کہا۔

سونو بڑی فرمانبرداری سے اس کے پاس بیٹھ گیا۔ گلی سے یک دم ایک اسکوٹر گزرا...... سونو ٹافی کھولنا کچھ دیر کے لیے بھول گیا وہ تب تک اسکوٹر کو دیکھتا رہا جب تک اسکوٹر گلی کا موڑ مڑ کر غائب نہیں ہو گیا۔

"اماں تو کیا لایا ہے بھی...... وہ اسکوٹر لے لے......؟" سونو نے یک دم اماں سے کہا۔

"اسکوٹر......؟" بختاور بری طرح چونکی۔

"یہ اسکوٹر کیسے یاد آ گیا تجھے......؟"

میرا دل کرتا ہے اماں......" ابا کے پاس اس کا ایک اسکوٹر ہو...... جسے میں چلاؤں......؟" سونو نے ٹافی کا ریپر اتار کر اسے منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "اسکوٹر...... ابا کا اسکوٹر......" اماں بختے نے بڑبڑانا شروع کر دیا تھا۔

●●●

"اماں...... ابا اسکوٹر لے کر آیا ہے۔" جبار نے دروازے سے ہی گلا پھاڑتے ہوئے ماں کو اطلاع دی۔ کمرے میں جھاڑو لگاتی بختاور یک دم ٹھٹکی اور پھر جھاڑو چھوڑتے ہوئے باہر نکل آئی۔ جبار اب دروازے میں بھی نہیں تھا لیکن گلی میں کسی اسکوٹر کی آواز آ رہی تھی۔ وہ تیز تیز دروازے تک گئی اور ابھی دروازے کے سامنے شریف نے ایک اسکوٹر روکا جس پر اس کے پیچھے جبار اور غفار بیٹھے ہوئے تھے۔

"یہ کس کا اسکوٹر اٹھا لایا ہے تو شریف......؟" شریف کو اسکوٹر چلاتے دیکھ کر جیسے بختاور کو یقین نہیں آ رہا تھا...... پورے محلے سے عورتیں اور بچے ان کے دروازے کے باہر کھڑے ہوئے تھے، وہ محلے کا پہلا اسکوٹر تھا۔

"میرا اپنا اسکوٹر ہے...... تھک گیا تھا بسوں کے دھکے کھاتے کھاتے اور پیدل چلتے...... اس لیے کام پر جانے کے لیے لیا ہے میں نے......" شریف نے اسکوٹر سے اترتے ہوئے اس کو بتایا۔

"اللہ میں تو ابھی میٹھے چاول پکا کر محلے میں بانٹتی ہوں...... اتنے سالوں بعد اللہ نے سواری نصیب کی ہے تجھے......!" بختاور جذباتی ہو رہی تھی۔

"ابا مجھے چابی دے اسکوٹر کی...... میں ایک چکر لگا کر آؤں اس پر......" جبار نے باپ کے ہاتھ سے اسکوٹر کی چابی نکال لی۔

"غفار کو بھی پیچھے بٹھا لینا......" بختاور نے اسے آواز دی۔

"اماں میں تو اب اسکوٹر پر ہی کالج جایا کروں گا...... اپنے دوستوں کو جا کر ابھی بتاتا ہوں کہ ابا میرے لیے اسکوٹر لے کر آئے ہیں۔" جبار نے اسکوٹر پر بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ چند ہی لمحوں میں بختاور اور شریف نے اپنے دونوں بڑے بیٹوں کو اسکوٹر سمیت غائب ہوتے دیکھا۔

"اسکوٹر جبار کو ہی دے دو...... دیکھو کتنا خوش ہے...... کالج آنے جانے میں بھی آرام ہو جائے گا اسے اور پھر محنت سے پڑھے گا......" بختاور نے کچھ سوچ کر شریف سے کہنا شروع کیا۔ شریف بھی سر ہلانے لگا۔

"ہاں، اچھا ہے جبار ہی کو دے دیتا ہوں بھائیوں کو اسکول بھی چھوڑ... آیا کرے گا۔ مجھے تو اب ویسے بھی بس پر جانے کی عادت ہے وہاں بھی میل ملاپ ہو گیا ہے میرا...... اب اسکوٹر کہاں لیے لیے پھروں گا......" بڑھاپے نے جوانی کے سامنے بڑی آسانی کے ساتھ سپر ڈال دی تھی۔

"پر میٹھے چاول ضرور بانٹ دینا محلے میں اور کوئی خیرات بھی دے دینا...... میرے بیٹوں کی نئی سواری آئی ہے۔" شریف اندر جاتے ہوئے اسے کہنا نہیں بھولا تھا۔ بختاور دروازے پر ہی کھڑی ان دونوں کی اسکوٹر سمیت واپسی کی منتظر تھی۔ گھر کے دروازے کے سامنے اکٹھی ہونے والی بھیڑ اسکوٹر کے غائب ہونے کے ساتھ ہی غائب ہو گئی تھی۔

●●●

"اسکوٹر......" اماں بختے ایک بار پھر بڑبڑائی تھی۔

"اور اماں پھر میں تجھے بھی اسکوٹر پر بٹھایا کروں گا......" سونو کو یک دم دادی کا خیال آیا۔

"مجھے......؟" اماں بختے نے چونک کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"ہاں تجھے بٹھا کر پتا ہے کہاں لے کر جاؤں گا۔" سونو نے جیسے اس کے تجسس کو ہوا دی۔

"کہاں......؟"

''سمندر پر......'' سونو نے کہا۔ اماں بختے پوپلے منہ کے ساتھ ہنس پڑی۔

''اچھا سمندر پر لے کر جائے گا تو مجھے......؟''

''اور کیا......!''

''بس اتنی سیر کرائے گا مجھے......؟'' اماں بختے نے کہا۔

''نہیں...... نہیں...... اور ابھی سیر کراؤں گا تجھے...... جہاز پر بٹھا کر......!'' سونو نے فوراً کہا۔

''جہاز پر بٹھا کر......؟'' اماں کچھ اور ہنسی...... ''کون سے جہاز پر بٹھا کر......؟'' اس نے جیسے کو سونو چھیڑا۔

''ہوائی جہاز پر بٹھا کر...... پھر تجھے...... تجھے کویت لے کر جاؤں گا...... جہاں تایا جی ہیں......'' سونو نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ خیالی پلاؤ پکانے کی کوشش کی اور اس کوشش نے جیسے کوئی زخم ہرا کر دیا تھا اماں بختے کی آنکھوں میں پانی آیا تھا...... اس عمر میں آ کر دکھ پہاڑ بھی بن جائے تو بھی آنکھیں صرف نم ہوتی ہیں ان میں سیلاب نہیں آتا۔

●●●

''تو ابا سے کہہ نا مجھے ویزے کے لیے پیسے دے دے......'' جبار نے بختاور سے پھر ضد کرنی شروع کر دی تھی۔

''شریف کے پاس کہاں ہیں پیسے......؟'' بختاور نے کچھ پریشان ہوتے ہوئے شوہر کی حمایت کی۔

''تو ابا کسی سے قرضہ لے لے...... میں باہر جا کر لوٹا دوں گا۔'' جبار نے اصرار کیا۔

''تیرے ابا اتنی سی عمر میں باہر نہیں بھیجیں گے تجھے۔ ابھی تو بیس کا بھی نہیں ہوا جبار......!'' بختاور نے اس سے کہا۔

''پہلے اپنی پڑھائی مکمل کر لے...... پھر چلے جانا باہر بھی......''

''پڑھائی کا کیا فائدہ ہے......؟ پڑھ لکھ کر کون سا افسر لگ جانا ہے مجھے...... نوکری کے لیے دھکے کھاؤں گا اور جوتیاں چٹخاؤں گا بس تو ابا سے کہہ مجھے کویت بھیج دے، محلے کے سارے لڑکے جا رہے ہیں وہاں۔'' جبار نے کہا۔

''مگر......'' بختاور نے کچھ کہنے کی کوشش کی جبار نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی۔

''میں نے تو ایک ایجنٹ سے بات بھی کر لی ہے...... بیس ہزار مانگ رہا ہے وہ...... تو بس بات کرا ابا سے۔''

●●●

''بیس ہزار میں کہاں سے لاؤں گا بختے، تیرے بیٹے کا دماغ خراب ہو گیا ہے بیٹھے بیٹھے......!'' شریف، جبار کا ارادہ اور مطالبہ سن کر بری طرح بگڑا تھا۔

''تو کسی سے ادھار لے لے......!'' بختاور نے کچھ تھکے ہوئے انداز میں کہا۔

''بیس ہزار کون ادھار دے گا مجھے......؟'' شریف کچھ اور بگڑا۔

''تو کسی سے بات تو کر......!'' بختاور نے اصرار کیا۔

''بیٹے کو سمجھاتی کیوں نہیں تو......؟''

''تیرا خیال ہے میں نے نہیں سمجھایا...... کتنے مہینے سے ہر روز یہی ایک ضد کر کے بیٹھ جاتا ہے میرے پاس اور اب تو کالج چھوڑنے کی دھمکی بھی دے دی ہے...... جب پڑھنا نہیں تو پھر کام تو کرنا ہی ہے اس نے...... کرنے دے اسے جا کر باہر کام اس کی بھی زندگی بن جائے۔'' بختاور نے کہا۔ ''وہ میدے کی سویاں سکھانے کے لیے بنا رہی تھی اور آج پہلی بار سویاں ٹھیک نہیں بن رہی تھیں۔

''جب گھر خریدنے کے لیے قرضہ لیا تھا تو یاد ہے کتنی مشکل سے چکایا تھا۔'' شریف نے اسے کچھ یاد دلانے کی کوشش کی۔

''سب یاد ہے...... پھر چکا دیا تھا سارا قرض...... پھر چکا دیں گے...... وہ وعدہ کر رہا ہے کہ باہر جا کر سارے پیسے واپس کر دے گا۔'' بختاور نے یقین سے کہا۔

''پر بختے......'' بختاور نے شریف کو بات نہیں کرنے دی۔

''تو بات کر کسی سے۔''

''گھر گروی رکھنا پڑے گا اتنی بڑی رقم قرض لینے کے لیے۔'' بختاور شریف کی بات پر کچھ بول نہیں سکی۔ کسی نے جیسے اس کی جان نکال لی تھی۔

''تو چپ کیوں ہے؟'' شریف نے اس سے کہا۔

''کچھ نہیں ایسے ہی......'' بختاور بمشکل بولی۔ اس نے میدہ ہاتھ سے رکھ دیا تھا۔

''تجھے اچھا نہیں لگا تو گھر کو رہنے دیتے ہیں، میں دکان کو گروی رکھ دیتا ہوں......'' شریف نے یک دم کہا۔ بختاور چونک گئی۔ دکان تو کاروبار تھا رزق تھا خدانخواستہ وہ چلی جاتی تو۔

''بس ٹھیک ہے تو مکان ہی کو گروی رکھ دے...... جبار نے وعدہ تو کیا ہے جاتے ہی سارا قرضہ لوٹا دے گا وہ...... بس ٹھیک ہے تو مکان ہی گروی رکھ دے......'' بختاور نے شریف سے زیادہ جبار کا وعدہ اسے خود کو تسلی دینے کے لیے دہرایا۔

●●●

''سو جا بختے...... کتنی راتیں اسی طرح صحن کے چکر کاٹ کاٹ کر گزارے گی؟'' ہر رات کی طرح اس رات بھی اسے صحن میں چکر کاٹتے دیکھ کر شریف اندر چارپائی سے اٹھ کر باہر آ گیا تھا۔

''بس جب سے میرا جبار گیا ہے کسی شے میں میرا دل ہی نہیں لگتا۔ پتا نہیں کیسے رہ رہا ہو گا وہاں......!'' بختاور نے بے حد اداسی سے کہا۔

''وہ بڑا خوش ہے وہاں اس نے فون پر بتایا ہے......'' شریف نے اسے یاد دلایا۔

''وہ تو اس نے اس لیے کہا ہو گا کہ میں پریشان نہ ہوں ورنہ ماں اور گھر کے بغیر پردیس میں کیسے خوش رہ رہا ہے وہ۔'' بختاور کو یقین نہیں آیا۔

''بختے تیرا بیٹا جوان ہو گیا ہے۔'' شریف نے اسے بتایا۔

''کتنا بھی جوان ہو جائے میرے لیے بڑا تھوڑی......'' بختاور رونے لگی تھی۔

''میرے کہنے پر ہی میں نے قرضہ لے کر اسے باہر بھجوایا اب تو ہی رو رہی ہے اس کے لیے......'' شریف بڑبڑایا تھا۔

''بس میرا دل نہیں لگتا کسی بھی شے میں...... یاد آتا رہتا ہے وہ مجھے ہر وقت......!'' وہ کچھ اور زار و قطار رونے لگی تھی۔

''آ جائے گا وہ واپس...... بس پانچ چھ سال کی بات ہے...... تھوڑا پیسہ اکٹھا کر لے پھر آ جائے گا واپس...... یہیں کام کرے گا۔'' شریف نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

''تو سچ کہہ رہا ہے شریف......؟'' بختاور کو روتے روتے جیسے کوئی آس لگی۔

''اور کیا...... اس نے خود کہا ہے مجھ سے...... اور پھر دیکھ باقی دونوں بیٹے ہیں ابھی ہمارے پاس ان میں دل لگا تو......'' بختاور کے آنسو تھمنے لگے۔

●●●

''جب جبار کو بھیج دیا تو مجھے کیوں نہیں بھیج سکتے......؟'' غفار چلا رہا تھا۔

''اسے بھیج کر اتنی اداس رہتی ہوں تو اور اداس کرنا چاہتا ہے مجھے؟'' بختاور کی آنکھوں میں آنسو اترنے لگے۔

''اب تیری اداسی کے لیے گھر تو نہیں بیٹھ سکتا۔ ابا سے کہہ مجھے ویزے کے لیے پیسے دیں۔'' غفار بڑی بدتمیزی کے ساتھ کہا۔

''پر غفار پیسے نہیں ہیں تیرے ابا کے پاس۔'' بختاور نے بے بسی سے کہا۔

''کیوں، جبار نے جو پیسے بھجوائے تھے باہر سے...... وہ کہاں ہیں......؟''

''وہ تو گھر گروی رکھ کر باہر بھیجنے کے لیے جو قرضہ لیا تھا اسے اتارنے کے لیے بھیجے تھے اس نے......!'' بختاور نے اس سے کہا۔

''تو پھر اب گھر کو میرے لیے گروی رکھ کر رقم لیں، میں بھی کویت جا کر بھیج دوں گا آپ کو یہ پیسے واپس۔'' غفار نے جیسے اعلان کیا تھا۔ بختاور نے بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھا وہ کتنی آسانی سے اس گھر کو گروی رکھنے کی

بات کر رہا تھا جسے خریدنے اور بنانے میں اس کی ساری جوانی چلی گئی تھی۔ "وہ گھر" تھا اس کا...... یہ بات وہ نہیں سمجھا نہیں پا رہی تھی...... یہ بات کوئی بھی مرد نہیں سمجھ سکتا۔

•••

"اماں، میں جیلی لے لوں......؟" سونو نے اسے ایک بار پھر چونکایا۔ وہ منہ کھول کر جمائی لیتے ہوئے کھانے پینے کے ڈبوں میں پڑی چیزوں پر نظر ڈال رہا تھا۔

"جیلی کیا......؟" ایک لمحے کے لیے اماں بختے کو سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔

"یہ والی جیلی......" سونو نے جیلی کا پیکٹ پکڑ کر اس کے سامنے لہرایا وہ اماں بختے کی دکان کا سب سے مہنگا آئٹم تھا۔

"ساری جیلی کھائے گا......؟" اماں کچھ گریزاں ہوئی۔

"ہاں بھوک لگ رہی ہے۔" سونو نے کہا۔

"تو بسکٹ کھا لے۔" اماں نے بسکٹ کا ایک پیکٹ اٹھایا۔

"نہیں، مجھے تو جیلی ہی کھانی ہے۔ بس جیلی ہی...... مجھے جیلی ہی کی بھوک ہے۔" سونو نے دوٹوک انداز میں اماں سے کہا۔

"اچھا چل لے لے۔ بڑی ضد کرنے لگا ہے اب تو سونو۔" اماں نے فوراً اس کے سامنے گھٹنے ٹیکتے ہوئے جیلی کا پیکٹ اسے تھما دیا تھا۔ سونو کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا تھا۔ اس نے اماں کے تبصرے پر بھی غور نہیں کیا۔ وہ بس خوشی خوشی جیلی کا پیکٹ کھولنے میں مصروف تھا۔

اماں نے زرق برق کپڑوں میں ملبوس کچھ بچیوں کو اپنے سامنے سے گزر کر گلی کے ایک گھر میں جاتے دیکھا۔ شاید بڑی گلی کے کسی گھر میں شادی تھی کیونکہ بہت دور سے باجوں کی ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی۔

"اماں میں دولہا دیکھوں گا۔" سونو نے یک دم کھڑے ہو کر اعلان کیا۔ باجوں کی آواز اس نے بھی سن لی تھی۔

"اماں سے پوچھ کر جانا سونو۔" اماں بختے نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

"اماں کو رہنے دو۔" سونو تقریباً بھاگتا ہوا کہتا چلا گیا تھا۔ محلے کے کچھ اور گھروں سے بھی بچے اور کچھ عورتیں نکل کر بڑی گلی کی طرف گئی تھیں، باجوں کا شور اب بہت زیادہ اور بہت قریب آ رہا تھا۔ اماں جا سکتی تو اس وقت وہ بھی گلی کے موڑ پر کھڑے مجمع میں شامل ہوتی جو بڑی گلی سے گزرنے والی بارات کو دیکھ رہا تھا۔

دس پندرہ منٹ کے بعد باجوں کا شور کم ہونے لگا پھر آہستہ آہستہ اس مجمع میں موجود عورتوں اور بچوں کی اپنے اپنے گھر کو واپسی ہونے لگی۔ اماں سونو کی منتظر تھی چند منٹوں بعد اس نے بالآخر سونو کو نمودار ہوتے دیکھ لیا۔ اماں نے اطمینان کی سانس لی۔

"دیکھ لی بارات؟" سونو کے قریب آتے ہی اماں نے پوچھا۔

"ہاں......" سونو نے قدرے پُرجوش انداز میں کہا۔

"دولہا بھی دیکھا......؟" اماں بختے نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"ہاں دولہا بھی دیکھا......!" سونو نے سر ہلایا۔

"اماں میری شادی کب ہوگی......؟" سونو نے یک دم اماں سے پوچھا۔ اماں کو ہنسی اور کھانسی کا دورہ پڑا۔

"شادی کرے گا تو......؟" اماں نے دونوں پر قابو پانے کی کوشش کی۔

"ہاں......!" سونو سنجیدہ تھا۔

"اچھا میں کہتی ہوں تیری ماں سے...... کہ لڑکی ڈھونڈ لے تیرے لیے۔" اماں بختے نے ہنستے ہنستے کہا۔

"لڑکی کیوں ڈھونڈے؟" سونو چونکا۔

"بے لڑکی کے بغیر ہی شادی کر لے گا؟" اماں کو ہنسی اور کھانسی کا ایک اور دورہ پڑا۔

"پر اماں میں نے تو تیرے ساتھ شادی کرنی ہے۔" سونو نے اسی سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ اس بار اماں کو

صرف کھانسی کا دورہ پڑا تھا، مزید ہنسنے کی ہمت نہیں تھی۔

"بچے سونو میں تو بوڑھی ہو گئی ہوں......!" اماں نے بالآخر ہنسی اور کھانسی دونوں پر قابو پا لیا تھا۔

"کوئی بات نہیں......" سونو کی سنجیدگی برقرار تھی۔

"اچھا پھر کیا کرے گا؟" اماں بختے نے پوچھا۔

"پھر میں اپنے سارے پیسے تجھے دے دوں گا...... جیسے ابا، اماں کو دے دیتا ہے...... میں بھی ساری چیزیں تجھے ہی لا کر دوں گا......" اماں کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"کیوں......؟" اس نے بمشکل پوچھا۔

"تا کہ تجھے کھانا [illegible]......" سونو نے جواب دیا اماں کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

•••

"عبدل کی شادی کر دیتے ہیں بختے......" بختاور، شریف کی اس بات پر جیسے کرنٹ کھا کر اچھلی تھی۔ [illegible] رہی تھی۔

"بیٹھے بٹھائے تجھے عبدل کی شادی کا خیال کہاں آ گیا......؟" بختاور کو اس کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔

شریف کچھ دیر چپ چاپ سر جھکائے چارپائی پر بیٹھا رہا پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"وہ بھی مجھ سے کویت بھیجنے کی ضد کر رہا ہے، شادی کر دیں گے تو بیوی روک لے گی اسے۔" آٹا گوندھتے گوندھتے بختاور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"اور ماں باپ نہیں روک سکتے تو بیوی کیسے روک لے گی......؟" بختاور نے جیسے کچھ تڑپ کر کہا تھا۔

"بیویاں روک لیا کرتی ہیں بختے......!" شریف کے لہجے میں عجیب سی اداسی تھی۔

"عبدل بھی باہر چلا گیا تو ہم اکیلے کیا کریں گے یہاں...... اتنے پیسے سے جبار اور غفار نے پہلے کوئی [illegible] نہیں کیا...... تو عبدل کو بھی گنوانا چاہتی ہے......؟" بختاور کو لگا شریف کی آنکھوں میں آنسو تھے آج پہلی بار اسے لگا شریف بوڑھا ہو گیا ہے۔

"شریف شادی کے لیے پیسہ کہاں سے آ جائے گا۔ ابھی تو غفار نے وہ رقم تک واپس نہیں کی جو گھر گروی کر کے اسے دی تھی...... جبار بھی کوئی پیسہ نہیں بھیج رہا......" بختاور نے بے حد تشویش کے ساتھ کہا تھا۔

"جہاں اتنا گھاٹا...... وہاں کچھ اور سہی...... کچھ اور روپیہ ادھار لے لوں گا میں...... شادی سادگی سے کر لیں گے......" شریف نے کہا۔

•••

"دیکھ شریف میری بہو کا دوپٹا۔" بختاور نے بڑی خوشی خوشی ایک سرخ دوپٹا شریف کے سامنے پھیلایا جس پر وہ گوٹا لگا رہی تھی۔ شریف تھوڑی دیر پہلے ہی کچھ سامان لے کر کمرے میں آیا تھا اور اب اپنے جوتے اتار رہا تھا اس نے بڑے بے تاثر انداز میں کہا۔

"اچھا ہے......" بختاور نے اس کے بجھے ہوئے لہجے پر غور کیے بغیر کہا۔

"بس آج رات مکمل کر لوں گی اسے، چاہے رات جاگنا ہی کیوں نہ پڑے مجھے۔" بختاور ایک بار پھر دوپٹے پر گوٹا لگانے لگی۔

"میں سوچ رہا ہوں ہم یہ کمرا عبدل اور اس کی دلہن کو نہ دے دیں۔" شریف نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا...... بختاور نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا مطلب......؟ اپنا کمرا عبدل کو دے دیں...... تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" وہ ناراضی سے کہہ کر دوبارہ گوٹا لگانے لگی۔

"ہاں...... یہ ذرا اچھا کمرا ہے...... بڑا بھی ہے......" شریف نے کہا۔

"عبدل کا کمرا بھی اچھا ہے۔" بختاور نے دوبدو کہا۔

"یہ ذرا زیادہ اچھا سجا ہے۔" شریف نے کہا۔

"میں عبدل کے کمرے کو بھی اچھی طرح سجا دوں گی رضیہ کے سامان سے تو فکر نہ کر۔" بختاور نے اس کی بات کاٹی۔

"پھر بھی میں......" بختاور نے اس بار پھر اس کی بات کاٹی۔

"میں تو اپنا کمرا کبھی نہیں چھوڑوں گی...... چاہے

ایک نہیں تین تین بہوئیں آجائیں...... تم ایسا خیال بھی اپنے دل میں مت لانا...... عبدل کو پتا چلا تو ہنگامہ مچادے گا وہ کہ ابا نے ایسا سوچا بھی کیوں......؟'' بختاور نے بے حد غرور سے کہا۔

''تجھے پتا ہے کیسے جان چھڑکتا ہے وہ مجھ پر...... یہ تو برداشت بھی نہیں کرے گا کہ میری جوتی بھی اِدھر سے اُدھر ہو اور تو کمرا چھوڑنے کو......'' وہ لگاتار بڑے مان سے بولتی جارہی تھی۔ جب شریف نے مدھم آواز میں اس کی بات کاٹی۔

''عبدل نے ہی کہا ہے مجھ سے...... کہ اسے اپنی بیوی کے لیے یہ کمرا چاہیے۔''

گوٹا لگاتے ہوئے سوئی اس کی انگلی میں چبھی تھی پر زخم دل پر لگا تھا۔ وہ گوٹے کے پھولوں سے نظر نہیں اٹھا سکی...... نظر اٹھا کر شریف سے نظریں ملانا ایسا ہی دوبھر ہوگیا تھا اس کے لیے پھر یک دم اس نے مسکرا کر سر اٹھایا اور پلکیں جھپک کر آنکھوں میں امڈتی نمی کو چھپاتے ہوئے کہا۔

''ہاں تو...... وہ...... وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے...... میں تو خود ہی سوچ رہی تھی کہ عبدل کو خود ہی کہوں۔''

''تو رو رہی ہے بختے......؟'' شریف نے اس کی آنکھوں میں آتی نمی کو دیکھ کر بے چین ہو کر پوچھا۔

''نہ...... نہ...... رونا کیوں ہے میں نے...... یہ سوئی لگ گئی ہے انگلی میں...... تجھے تو پتا ہے مجھ سے چوٹ نہیں سہی جاتی۔'' اس نے ہنس کر دوپٹے سے آنکھوں کو رگڑا اور دوبارہ دوپٹے پر گوٹا لگانے لگی۔

●●●

''اماں ٹھیک سے بیٹھ جاؤ...... اماں آرہی ہے تجھ کو دیکھنے......'' سونو بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا تھا، اماں بختے یک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس نے میز پر پڑی چیزوں کے ڈبوں کو بھی ٹھیک کرنا شروع کردیا تھا۔ وہ خود کو مصروف ظاہر کرنا چاہتی تھی سونو دوبارہ غائب ہو چکا تھا۔

چند منٹوں کے بعد وہ ماں کے ساتھ نمودار ہوا تھا۔ رضیہ دبے قدموں آئی تھی لیکن اماں کو ہوشیار بیٹھا دیکھ کر وہ جیسے کچھ مایوس ہوئی۔

''سب کچھ ٹھیک چل رہا ہے یہاں......؟'' اماں نے سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا اور میکانکی انداز میں کہا۔

''ہاں......''

''گاہکوں سے پیسے دو دفعہ گن کر لینے تھے۔'' رضیہ نے کہا۔

''دو دفعہ گن کر لیے ہیں۔'' اماں نے پھر دُہرایا۔

''چیزیں احتیاط سے دینی تھیں۔''

''احتیاط سے دی ہیں۔''

''کسی کو اُدھار نہیں دینا......!''

''کسی کو اُدھار نہیں دیا۔'' اماں جیسے کوئی سبق دُہرا رہی تھی رضیہ کے پیچھے۔

''کسی کو مفت کچھ نہیں دینا۔''

''کسی کو مفت کچھ نہیں دیا۔''

''خود بھی کچھ نہیں کھانا۔''

''خود بھی کچھ نہیں کھایا۔''

''آج گھاٹا نہیں ہونا چاہیے۔'' اماں نے اس بار سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر سونو کو...... پھر وہ بڑبڑائی۔

''آج گھاٹا نہیں ہوگا۔''

''روز ہی کہتی ہے تو یہ...... یہ تو شام کو پتا چلے گا جب میں حساب کروں گی...... یہ سونو کو بسکٹ دے ایک پیکٹ۔'' رضیہ نے تند و تیز آواز میں کہتے کہتے سونو کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اماں سے کہا۔

''نہیں، میں ٹافی لوں گا۔'' سونو نے فوراً کہا۔

''چل ٹافی لے لے...... اور اِدھر ہی بیٹھ اماں کے پاس...... دھیان رکھ کہ چیزیں ٹھیک سے بیچ رہی ہے۔'' رضیہ کہتے ہوئے واپس اندر چلی گئی...... سونو نے اس بار ایک ٹافی خود اٹھالی اور اماں کے پاس بیٹھ گیا...... اماں نے رضیہ کے جانے پر جیسے سکون کی سانس لی تھی۔

تبھی اماں کا ایک اور گاہک پہنچ گیا تھا وہ محلے کے آخری گھر میں رہنے والی عورت زبیدہ تھی کمر پر ایک ڈیڑھ سال کا بچہ اٹھائے اس نے اماں سے ایک بسکٹ کا پیکٹ لیا اور اسے کھول کر اپنے بیٹے کو تھما دیا۔ بچے نے چند لمحوں کے لیے منہ بسورا

بار ٹانگیں چلائیں پھر بسکٹ کا پیکٹ تھام لیا۔

''جبار اور غفار کا کوئی خط پتر...... کوئی فون......'' زبیدہ نے اپنا سر کھجاتے ہوئے اماں سے پوچھا وہ گپ شپ کے موڈ میں تھی۔

''نہیں...... پردیس میں وقت کہاں ملتا ہے۔'' اماں بڑبڑائی تھی۔

''آخری بار دس سال پہلے آئے تھے نا باپ کی وفات پر......'' زبیدہ نے کچھ یاد کرنے کی کوشش کی، اماں بختے کا رنگ کچھ پھیکا پڑا اور اس نے سر ہلا دیا۔

''آئے ہائے دس سال میں ایک بار بھی ماں کی یاد نہیں آئی۔'' زبیدہ نے جیسے ہمدردی کی لیکن اماں بختے تڑپ گئی۔

''یاد کیوں نہیں آتی ہوگی۔ یاد تو آتی ہوگی...... کوئی ماں کو تھوڑی بھول جاتا ہے...... جب بھی بیویوں کے ہاتھ کا کھانا کھاتے ہوں گے تو میرے ہاتھ کا کھانا یاد آتا ہوگا انہیں...... ان کی بیویاں میرے جیسا تھوڑی پکا سکتی ہیں۔'' زبیدہ نے اپنے بیٹے کے سر پر ہاتھ پھیرتے اماں کی بات کی کسی دلچسپی کے بغیر تائید کی۔

''ہاں یہ تو ہے۔''

''اور میری طرح کون کلف لگا کر کپڑے دیتا ہوگا انہیں...... کھڑ کھڑ کرتے کپڑے۔'' اماں کچھ اور جذباتی ہوئی۔

''پر اماں اب تو مشینوں میں کپڑے دھلتے ہیں اور [illegible] جیسے کپڑے پہنتے ہیں سب لوگ...... ان کو [illegible] لگانا پڑتا ہے۔'' زبیدہ نے جیسے تصحیح کرنے کی کوشش کی۔

''پر میری طرح کون سر میں تیل ڈال کر مالش کرتا ہوگا۔'' اماں نے اصرار کیا وہ اپنا کیس ہارنے کو تیار نہیں تھی۔

''پر اماں تیرے بیٹوں کے سر پر تو اب چار بال رہ گئے ہوں گے...... کہاں تیل کی ضرورت پڑتی ہوگی گنجے سر تو ویسے ہی چمکتا ہے......'' زبیدہ نے جیسے مذاق کیا، اماں بختے کو اس کی بات پر ہنسی نہیں آئی۔

''اور کون میری طرح لوری دیتا ہوگا۔'' زبیدہ نے اس بار کھل کر قہقہہ لگایا۔

''لے اماں پچاس پچاس سال کے ہو رہے ہیں تیرے بیٹے...... اب تیری لوریاں کہاں یاد کرتے ہوں گے۔'' اس سے پہلے کہ اماں کچھ کہتی زبیدہ کے بیٹے نے بسکٹ نیچے گرنے پر غصے میں آکر زبیدہ کے منہ پر چانٹا مارا تھا ایک لمحے کے لیے زبیدہ نے درد سے بے حال ہو کر گال پر ہاتھ رکھا پھر ہنس دی۔

''دیکھ ابھی سے کتنا غصہ آتا ہے اماں اسے...... میں ذرا رضیہ سے سلام دعا کرلوں۔'' وہ کہتے ہوئے دہلیز پار کرکے اندر چلی گئی۔ اماں بختے وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔

●●●

شریف کی گود میں بیٹھی عبدل کی ڈیڑھ سالہ بیٹی شریف کے منہ پر ہلکے ہلکے طمانچے مار رہی تھی، شریف سر جھکائے صحن کی چارپائی پر بیٹھا تھا۔ باورچی خانے میں سالن میں کفگیر چلاتی بختاور بے حد بے بسی سے شوہر کو دیکھ رہی تھی۔ عبدل پچھلے ایک گھنٹے سے صحن میں کھڑا باپ پر چلا رہا تھا۔

''سارے گھاٹے سارے عذاب میری جان کے لیے چھوڑ دیے...... وہ دونوں بڑے کویت میں بیٹھے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ عیش کر رہے ہیں، انہیں ماں باپ کو خرچہ بھیجنے کی توفیق تک نہیں ہے...... خرچے کو تو چھوڑو...... غفار نے مکان پر گروی لی جانے والی رقم تک نہیں بھیجی...... میں بچے پالوں یا ماں باپ پالوں...... اب کون اتارے گا اس گھر کے قرضے...... اب میں بتا رہا ہوں تجھے...... میں نے گروی کی رقم تبھی دینی ہے جب یہ گھر تو میرے یا میری بیوی کے نام کرے گا...... ہر گھاٹا تو نے میرے ہی گلے میں ڈالنا ہے......'' عبدل چلا رہا تھا۔ شریف نے ایک بار بھی سر نہیں اٹھایا اس کی دکان اب عبدل چلا رہا تھا اور جوڑوں کے درد کی وجہ سے اس نے پچھلے سال سے دکان پر جانا بند کردیا تھا۔

''لے مکان تیرے یا میرے نام کیوں کریں...... وہ تو دیں گے اپنے دونوں چہیتے بیٹوں کو...... اور خدمت

کر کر کے میں اور تو مر جائیں گے......'' رضیہ بھی اب اندر سے آ گئی تھی۔

''تو ٹھیک ہے ابا اس بار وہ گروی والے پیسے مانگنے آئیں گے تو میں کہہ دوں گا ان سے کہ مکان پر قبضہ کر لیں وہ......!'' عبدل نے باپ کو دھمکایا۔ شریف نے سر اٹھایا دور باورچی خانے میں آنسو بہاتی بختاور کو اس نے دیکھا پھر شکست خوردہ انداز میں عبدل سے کہا۔

''تو کاغذ بنوا لے، تیرے نام کر دیتا ہوں میں یہ گھر۔'' رضیہ نے یک دم فاتحانہ انداز میں باورچی خانے میں دوپٹا آنکھوں پر رکھ کر روتی ساس کو دیکھا اور اندر چلی گئی۔

●●●

''تو نے گھر عبدل کے نام کر کے اچھا نہیں کیا۔ جبار اور غفار کو پتا چلے گا تو کتنا ہنگامہ اٹھائیں گے وہ۔ آخر ان کا بھی حصہ تھا اس گھر میں......!'' بختاور نے بے حد رنج کے ساتھ شریف سے کہا۔ وہ دونوں بے حد مدھم آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی کوئی بات سن کر بیٹا یا بہو طوفان اٹھائیں۔

''یہ گھر نہیں گھاٹا ہے بختے......اور گھاٹے میں کسی کا حصہ نہیں ہوتا۔ گھاٹا پورے کا پورا کسی ایک کے حصے میں آتا ہے۔'' شریف نے تسبیح کے دانے پھیرتے ہوئے کہا۔ بختاور بھک کر رو پڑی۔

''گھر گھاٹا کیسے بن جاتا ہے شریف......؟''

''گھاٹا کھانے والا آدمی کیسے جواب دے اس کا......یہ سمجھ آ جائے تو آدمی گھاٹا کیوں کھائے۔'' شریف آج بے حد اداس تھا۔ بختاور نے یک دم اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''تو لیٹ جا شریف......تیری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' بختاور نے اپنی چادر سے آنکھیں رگڑ کر کہا۔ شریف بے حد رنج کے عالم میں اس کا چہرہ بہت دیر تک دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

''اب لیٹنا ہی ہے بختے۔ گھاٹا کھا کھا کر اب لیٹنا ہی ہے۔'' بختاور کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

●●●

''باپ کی موت کا سنتے ہی دونوں بیٹے باہر سے آ گئے۔

''بڑی سعادت مند اولاد تھی بھائی شریف کی۔ اللہ ایسی اولاد سب کو دے۔'' صحن میں تعزیت کرنے والی عورتیں بیٹھی ایک دوسرے سے باتیں کر رہی تھیں۔ دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھی بختاور کے کانوں میں جبار اور غفار کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

''ابا نے جیتے جی ہمارے ساتھ انصاف نہ کیا تو مر کر کیسے کرتے......!'' یہ جبار تھا۔

''ارے، پوری کی پوری جائیداد چھوٹے کے نام کر دی یوں جیسے اکلوتی اولاد ہو وہ ابا کی۔'' غفار نے حلق کے بل چیخ کر کہا تھا۔

''اور ایک ہم ہیں کہ پاگلوں کی طرح دوڑے آئے باپ کے جنازے کو کاندھا دینے کے لیے۔ کاروبار بند کر کے جہاز کے کرایے پر بھی پیسہ برباد کیا ہم لوگوں نے۔'' شریف کی تدفین کے فوری بعد دونوں بڑے بیٹوں نے مکان اور دکان میں اپنے حصے کا مطالبہ کر دیا تھا اور یہ پتا چلنے پر کہ وہ دونوں چیزیں شریف بہت پہلے عبدل کے نام کر چکا تھا۔ وہ دونوں آگ بگولا ہو گئے تھے۔

''میں تو اب دوبارہ اس گھر میں قدم تک نہیں رکھوں گا۔'' جبار نے اعلان کیا تھا۔

''ارے جس گھر میں حصہ تک نہیں ہمارا وہاں بھی کیوں رکھیں ہم اپنا......!''

''جو کچھ تو نے ہمارے ساتھ کیا ہے اماں......بس لے آج ابا نہیں تو بھی مر گئی ہمارے لیے۔'' بختاور یک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''ارے صبر کر اماں......دکھ بڑا ہے پر صبر کر دیکھ تیری اولاد جانے والا جو چھوڑ کر گیا ہے وہ تیرے لیے......'' ایک عورت نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا تھا۔

●●●

دوپٹے سے اماں بختے نے اپنی آنکھیں رگڑیں۔ دس سال ہو گئے تھے شریف کو گئے پر ہر بار وہ اسے یاد آتا تھا تو دل بھر آتا تھا۔

دور سے عبدل جوتے گھسیٹتا آ رہا تھا۔ اماں اب اس کی ...نے کی آواز تک پہچانتی تھی۔ وہ یک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''آ گیا بیٹا......!'' اس نے عبدل کے قریب آنے پر کہا۔ عبدل کے ہاتھ میں پھلوں کا لفافہ تھا۔ دہلیز میں اس کے نمودار ہوتے ہی سونو بھاگتا آ گیا تھا۔ عبدل نے اماں کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس کی پوری توجہ چار سالہ سونو پر تھی جو اس کی ٹانگوں سے لپٹ کر اب اس لفافے کو اس کے ہاتھ سے چھیننے کی کوشش کر رہا تھا۔

''لے، چھین کیوں رہا ہے۔ تیرے لیے ہی لایا ہوں......تیرا ہی ہے سب کچھ۔'' عبدل لفافہ سونو کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے اندر چلا گیا۔ اماں بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی تھی۔

●●●

''تجھ سے ایک بات کرنی ہے اماں۔'' عبدل کے لہجے میں ایسی مٹھاس کتنے دنوں بعد سنی تھی اس نے۔ وہ یک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''ہاں......ہاں......بول بیٹا۔'' عبدل اس کی چارپائی پر بیٹھ گیا تھا۔

''بچے بڑے ہو رہے ہیں ہمارے......اور گھر بڑا ہوتا ہے۔'' عبدل نے تمہید باندھنی شروع کی۔

''ہاں گھر تو چھوٹا ہے۔ چار بچوں کے ساتھ آسانی سے تو گزارہ نہیں ہوتا......پر تو فکر نہ کر میں اللہ سے دعا کروں گی تجھے اور رزق دے اتنا پیسہ دے کہ تو اپنا ایک کمرا بنا لے۔'' اماں کا خیال تھا وہ دعا لینے آیا ہے۔

''رزق اور پیسہ تو جب آئے گا آئے گا......فی الحال تو میں یہ چاہتا ہوں کہ تو برآمدے میں سو جایا کر...... اس کمرے میں بچوں کو رکھنا چاہتے ہیں۔'' عبدل کے لہجے میں اس بار ٹھنڈک تھی۔

''پر برآمدے میں تو صوفہ......'' بختاور نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ عبدل نے اس کی بات کاٹ دی۔

''صوفہ وہیں رہے گا......دن کے وقت رضیہ تجھے

صحن میں چارپائی ڈال دیا کرے گی اور رات کے وقت صوفہ ہٹا کر برآمدے میں۔"

"پر عبدل تجھے پتا ہے مجھے برآمدے میں سونے کی عادت نہیں ہے......!" بختاور نے بڑی کمزور آواز میں کہا۔

"جب سونا شروع کروگی تو عادت ہوجائے گی اماں اب ابا تو ہے نہیں پورا کمرا کیا کرنا ہے تجھے؟" عبدل نے کچھ بےزاری سے کہا۔

"میں بچوں کو اپنے ساتھ سلالوں گی۔ دو تو پہلے بھی میرے پاس ہی سوتے ہیں۔" اماں نے آخری مزاحمت کی۔

"بچوں کو پڑھائی کے لیے جگہ چاہیے۔ تیرے کھانسنے سے وہ تنگ ہوتے ہیں۔ ساری عمر کمرے میں رہی ہے تو اماں اب برآمدے میں رہ لے گی تو کیا ہوگا۔ تجھے گھر سے تو نہیں نکال دیا ہم نے......!" عبدل دو ٹوک انداز میں کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔ اماں بختے کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ روئے یا اسی طرح بیٹھی رہے۔ واقعی کسی نے اسے گھر سے تو نہیں نکالا تھا۔

***

"اماں اب چیزیں اٹھالوں......؟" سونو نے اس کا کندھا ہلا کر کہا۔ شام کی اذانیں ہونے لگی تھیں۔ گلی میں بلب جل رہے تھے۔ سونو گم صم بیٹھی اماں بختے کے پاس کھڑا ایک بار پھر اس کا کندھا ہلانے لگا۔

"اب تو کوئی گاہک نہیں آئے گا اماں......؟" اماں نے تھکے ہوئے لہجے میں سونو کا چہرہ دیکھا۔

"ہاں اب تو کوئی......کوئی نہیں آئے گا، اٹھالے چیزیں سونو۔"

***

رضیہ نے پیسوں کا ڈبا پوری قوت سے اماں کے سامنے صحن میں پھینکا تھا۔ کھنکھناتے سکے ڈبے سے نکل کر پورے صحن میں لڑھکنیاں کھانے لگے تھے۔

"پھر گھاٹا......آج تیس روپے کا گھاٹا اور بڑھیا کہتی ہے میں نے کچھ نہیں کھایا، کسی کو مفت چیز نہیں دی......کسی کو ادھار نہیں دیا، ہر ایک سے گن کے پیسے لیے ہیں......ارے تو پھر کیا بھوت آکر کھا جاتے ہیں چیزیں......!" رضیہ گلا پھاڑ پھاڑ کر صحن کے وسط میں کھڑی چلا رہی تھی اس نے کچھ دیر پہلے ہی حساب کیا تھا۔

"پتا نہیں کب جان چھوٹے گی اس بڑھیا سے اور اس گھاٹے سے......!" اماں بختے نے صحن میں بیٹھے بیٹھے گردن گھما کر برآمدے میں بیٹھے کھانا کھاتے ہوئے عبدل کو دیکھا جو سر جھکائے کھانے میں یوں محو تھا جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ اماں بمشکل اپنی چارپائی سے کھڑی ہوئی پھر بڑی جدوجہد کے ساتھ صحن کے بیچ میں بیٹھ کر اس نے زمین پر پھیلے سکوں کو ٹٹول کر اکٹھا کرنا شروع کردیا۔ وہ ساتھ بڑبڑا رہی تھی۔

"گھاٹے کی سمجھ نہیں آئی۔ روز گھاٹا کیسے ہوجاتا ہے......روز تو نہیں ہونا چاہیے۔ آخر تیس روپے کی چیزیں کون کھا گیا۔" وہ سکے اکٹھے کرتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔ تبھی سونو اندر سے بھاگتا آیا۔

"ٹھہر اماں، میں جمع کرتا ہوں......" اس نے بھاگ بھاگ کر صحن میں بکھرے وہ دس پندرہ سکے دو منٹ میں جمع کرلیے تھے۔ اماں صحن کے وسط میں ڈبے کے پاس بیٹھی سونو کو سکے جمع کرتے دیکھتی رہی۔ سونو نے سکے جمع کرنے کے بعد انہیں لا کر اماں کے ڈبے میں ڈال دیا تھا۔ پھر اس نے بڑی معصومیت کے ساتھ اماں کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"سارے پیسے اکٹھے کرکے ڈبے میں ڈال دیے ہیں۔ گھاٹا تو نہیں ہوا نا......؟" اس کے لہجے میں عجیب سی تشویش تھی۔ اماں کی آنکھوں میں نمی جھلملانے لگی پھر نفی میں ہلاتے ہوئے نم آنکھوں کے ساتھ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں، گھاٹا نہیں ہوا......گھاٹا نہیں ہوا مجھے۔" سونو کی آنکھوں میں بےحد فخریہ چمک نمودار ہوئی تھی۔

**